

جواہرِ سخن

یعنی اُردو شعرا کے کلام کا انتخاب

ہے
مولوی محمد بین کھٹّی، چریا کوٹی، نے مرتب کیا

چوتھی جلد

جس پر ڈاکٹر عبدالستار صدیقی، ایم۔ اے، پی ایچ۔ ڈی،
نے نطو ثانی، فو۔ مائی

۱۹۳۹ء

ہندوستانی اکیڈمی، صوبہ متحدہ، آلہ آباد

دیباچہ

”جواہر سخن“ مرتبہ مولوی محمد مبین صاحب ”کھنی“ چریاکوٹی کا یہ چوتھا حصہ ہے۔ اس حصہ پر عالی جناب ڈاکٹر عبدالستار صاحب صدیقی ایم۔ اے، پی ایچ۔ سی، صدر شعبہ عربی و فارسی الہ آباد یونیورسٹی نے نظر ثانی فرمائی۔ اس کے بعد اکیڈمی کی جانب سے اس کی صحت و طباعت کا انتظام مہرے سہرہ ہوا۔ میں نے جناب ڈاکٹر صاحب موصوف کی ہدایت کے مطابق اس جلد کا مقابلہ اصل دیوانوں سے کیا۔ کئی اور قابل ذکر شاعروں کے کلام کا انتخاب شامل کیا، شعرا اور کلام کی ترتیب میں ضروری تغیر کی، اور تقریباً تمام شعرا کا مختصر حال از سر نو لکھا۔ حالات اور سلیں کی جانچ کر کے جہاں جہاں ضرورت تھی ماخذوں کا حوالہ بھی دے دیا۔ اب اس جلد میں کل ۲۵ شاعروں کے کلام کا انتخاب اور ان کا مختصر حال ہے۔

متن کی تصحیح میں کہیں کہیں دقت پڑی۔ جن دیوانوں کے کلمی کلمی نسخے تھے اور ان میں آپس میں اختلاف تھا، راجح کو متن میں قائم رکھ کر ہر صفحے کے نیچے اختلاف کو واضح کر دیا۔ بعض جگہ دیوانوں میں الفاظ اس قدر مسخ ہو گئے تھے کہ ان کا پڑھنا ناممکن تھا، ان کو اچھے قیاس سے قرائن کے مطابق پڑھ کر درست کیا اور تمیز کے لیے ایسے الفاظ کو کھلی دار خطوں [] میں رکھا ہے۔

محمد رفیع

{ ہلدستانی اکیڈمی
الہ آباد

Published by
**THE HINDUSTANI ACADEMY, U. P.,
ALLAHABAD.**

FIRST EDITION :

فہرست شعرا

صفحہ ۱	نواب فقہر محمد خان	گویا	۱
۱۲ „ ...	خواجہ ارشد علی	قلق	۲
۲۱ „ ...	مہر مظفر حسین	ضمیمہ	۳
۲۲ „ ...	میر مستحسن	خلوق	۴
۲۶ „ ...	مہر بہر علی	انہیس	۵
۶۲ „ ...	مہرزا سلامت علی	دبیور	۶
۶۹ „ ...	سہد حسین مرزا	ہشتی	۷
۷۲ „ ...	مہر محمد نواب	مونس	۸
۸۵ „ ...	مہر خورشید علی	نہیس	۹
۸۹ „ ...	میر وزیر لکھنوی	نور	۱۰
۹۳ „ ...	سہد اسماعیل حسین	ملہر	۱۱
۱۱۶ „ ...	سہد فرزند احمد	صفیر	۱۲
۱۲۲ „ ...	سہد غلام حسین	قدر	۱۳
۱۳۹ „ ...	لالہ مادیو رام	جوہر	۱۴
۱۴۲ „ ...	سہد علی مہاں	کاسلی	۱۵
۱۴۹ „ ...	ذاکر علی	ذاکر	۱۶
۱۵۴ „ ...	شاہ غلام حیدر	مغہر	۱۷
۱۶۱ „ ...	تربہون ناتھ	ہجبر	۱۸
۱۶۶ „ ...	محمد جان خان	چہرت	۱۹
۱۸۰ „ ...	گوری شکر	سلم	۲۰
۱۸۲ „ ...	جواہر سنگھ	جوہر	۲۱
۱۸۴ „ ...	طاہر علی	طاہر	۲۲
۱۸۷ „ ...	پلڈت شوناتھ چک	کیف	۲۳
۱۹۰ „ ...	شاہ امین الدین	تھصر	۲۴
۲۱۴ „ ...	شاہ عبدالعلیم	آسی	۲۵

چوتھے دور کی خصوصیات

اس دور کے شعرا کو مولف نے دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ پہلا حصہ جواہر سخن کی یہ چوتھی جلد ہے جس میں لکھڑو کے شعرا کو داخل کیا ہے اور دوسرا حصہ پانچویں جلد ہے جو دہلی کے شعرا پر مشتمل ہے۔ اگر چہ باکمال شاعروں انیس، دیہر، غالب، مومن، ذوق سے قطع نظر کر لیا جائے تو عام طور سے اس دور کی شاعری میں کوئی خاص ترقی نظر نہیں آتی۔

اس جلد میں جو چھ سب سے زیادہ نمایاں ہے وہ مرثیہ ہے۔ مرثیہ کی بلحاظ اگرچہ میر امانی، میر عاصمی، رخشاں، سکندر، مہاں مسکین، انسودہ، میر ضاحک، مرزا سودا اور میر حسن کے زمانے سے پڑ چکی تھی تاہم اُس وقت تک اُس کا مقصد صرف رونا، رانا اور ثواب حاصل کرنا تھا۔ شاعری اور مضمون آفرینی اُس کا مقصد نہ تھی۔ سودا کے زمانے تک مرثیہ کا یہی حال رہا۔

میر ضمیر نے مرثیہ کے مضمون میں اضافہ کیا، کلام میں زور، بلندی میں چستی اور صفائی پیدا کی، شاعرانہ استدلال کے نمونے پیش کئے، نئی نئی تشبیہیں، استعارے، سلیقے سے نظم کئے۔ معرکہ کارزار کے حالات زیادہ تفصیل سے لکھے، تلواریں اور گھوڑے کی تعریف میں خاص اہتمام کیا۔ پہلے مرثیہ، تیس، چالیس یا پچاس بند تک ہوتا تھا۔ انہوں نے تمہید لکھی، چہرہ باندھا، سراپا لکھا، مہدان جگمگ کا نقشہ کھینچا اور شہادت کے بھان پر مرثیہ کو ختم کیا۔ میر خلیق نے بھان کی صفائی اور مہارے کی صحت پر سب سے زیادہ توجہ کی، اور درد و اثر پیدا کیا۔ اسی زمانے میں فزل کے انداز پر سلام اور غزل مستزاد کے اسلوب پر نوحہ کی بلحاظ پڑی، سلام اور مرثیوں میں مصائب، فضائل اور معجزات کی روایتیں، صفائی، سلامت اور سادگی کے ساتھ بھان کی جانے لگیں [۱]۔

میر ضمیر اور میر خلیق نے مرثیہ کے مہدان کو بہت وسیع کر دیا، بلحاظ پڑ چکی تھی اور عبارت ہلکے لگی تھی، اُس کی تکمیل میر انیس اور

گویا

حسام الدولہ نواب فقیر محمد خاں ”گویا“ قوم افغان (آفریدی) لکھنؤ کے امرا میں سے تھے۔ ابتدا سے شاعری کا شوق تھا۔ ناسخ کے شاگرد تھے اور خواجہ وزیر سے بھی اصلاح لیتے تھے۔ ۱۲۶۶ء میں وفات پائی۔ انوار سہیلی کا ترجمہ ”بستان حکمت“ اور ایک دیوان ان سے یادگار ہے۔ انہوں نے اپنا دیوان ۱۲۴۲ء میں مرتب کیا تھا جو ۱۸۸۹ء میں مطبع نولکشور لکھنؤ میں چھپا [۱]۔

کلام سے مشافی کا اندازہ ہوتا ہے۔ آورد کے ساتھ آمد کا بھی کچھ رنگ ہے۔ اکثر اصناف میں یکساں روانی کے ساتھ لکھتے ہیں۔

غزلیات

خونِ دوڑوں چشمِ زخم سے مہں تھری یاد میں
یارب، نشانہ ہوں تری اُلفت کے تیر کا
پاپوش جس کے سر پہ رکھی بادشہ ہوا
اللہ دے، مرتبہ ترے در کے فقیر کا

کوئی متجہ سا دیوانہ پیدا نہ ہوگا ہوا بھی، تو پھر ایسا رسوا نہ ہوگا

آپ سے جب گذر گئے، پہانچے یاد ہے راستہ ترے گھر کا

تجہ سا کوئی نہیں گلِ دعا چمنِ روزگار کو دیکھا

نہ اُسے لاسکے تو مرگئے آپ : جبر اور اختیار کو دیکھا

اپنی غفلت ہے عینِ ہشماري : خواب مہں ہم نے یار کو دیکھا

[۱]—تاریخ ادب اُردو ج ۲، ص ۲۰۔

(ب)

مرزا دبیر کے ہاتھوں ہوئی۔ انہوں نے اپنے مرثیوں میں واقعات کے تسلسل، مہاکات کی بلندی، طرز بیان کی دلنشینی، مناظر قدرت کی مصوری، جذبات نگاری، اور زور بیان کا ایک ایسا درخشاں نمونہ پیش کیا ہے جو اردو شاعری میں کواں بہا اضافہ ہے اور اس دور کی کامیابی کی زندہ شہادت۔ مناظر قدرت میں صبح کا سماں، طلوع آفتاب، شام کا سہانا وقت، چاندنی کا لطف، سبڑے کی بہار۔ معرکہ جنگ میں مبارزوں کی رجز خوانی، حملہ آوروں کے حملے، پہلوانوں کی لڑائیاں، لڑائی کا سامان تلواریں اور گھوڑے کی تعریف، غرض صدہا مناظر، سوکڑوں جگہ دکھائے گئے ہیں اور ہر جگہ تشبیہ و تخیل نگی ہے۔ بحقیقت مجموعی دور از کار تخیل اور بے جا افراق کو بہت ہی کم دخل دیا ہے۔ صنائع و بدائع بڑی خوبی سے استعمال ہوئے ہیں۔ کلام صاف، سلیس اور رنگین ہونے کے ساتھ ساتھ اخلاقی تعلیم سے بھرا ہوا ہے۔

اس دور کی قزل سوز و گداز، مضامین تصوف اور تشبیہات و استعارات سے خالی نہیں ہے اور فطری اور اخلاقی مضامین بھی اُس میں ادا کیے گئے ہیں، لیکن خیالات اور موضوعات کا بہت کم اضافہ ہوا۔ قصود میں غلو اور بے جا مبالغے کے بجائے تشبیہ کا غلبہ ہے۔ ”آسی“ نے قصائد میں مسائل تصوف کو بیان کیا ہے۔ ”گویا“ اور ”قدر“ بلگرامی نے زبان کی خوبی خاص طور پر پیش نظر رکھی ہے۔

مثنوی میں سلاست و روانی، مضامین کی خوبی سے زیادہ ہے۔ زیادہ تر مثنویاں، سحرالبیان کی تقلید میں لکھی گئی ہیں، لیکن سحرالبیان کے مقابلے میں، سادگی، صفائی اور شعریت ان مثنویوں میں کم ہے۔ رباعی میں کوئی خاص ترقی نہیں ہوئی۔ البتہ مہر انیس اور مرزا دبیر نے مذہب عقائد فلسفے اور فطرت کے مختلف مسائل پیش کئے ہیں اور ان کی رباعیوں میں تشبیہوں، استعارے، زور تخیل، مضامین آفرینی اور بلندی مضامین سب کچھ موجود ہے۔

مسائل نظمیں بھی لکھی گئیں جو واقعات پر کم اور نتیجہ خیز اخلاقیات پر زیادہ مبنی ہیں۔ ”ملہر“ نے اپنے واقعات، صائب بھی مختلف حیوانات سے لکھے ہیں۔ ان تمام نظموں میں ہندس کی چستی اور طرز ادا کی خوبی کا لحاظ رکھا گیا ہے۔

ہم کو شبِ وصال میں بھی غم ہوا نصیب :
 دھڑکا یہی رہا کہ کہیں ہو نہ جائے صبح

اُس کے ہوں کافر و دیلدار نہ کہوں پروانے ؟
 کہ چراغِ حرم و شمعِ کلہسا ہے وہ دُخ

خدا سے کم ، زیادہ سب سے کہئے : یہی کلمہ ہے شایانِ محمد

ہر روہی ، خاک اُڑاتی ہے صبا مہرے بعد
 ہو گئی اور ہی گلشن کی ہوا مہرے بعد
 کیا ہی مرنے سے مرے شاد ہیں اللہ اللہ

بُت کیا کرتے ہیں اب شکرِ خدا مہرے بعد
 اُٹھ کھا صفحۂ ہستی سے نکلیں کی صورت
 نہ رہا میں ، تو مرا نام رہا مہرے بعد

دعاؤں مانگی ہیں مدتوں تک جھکا کے سر ، ہاتھ اُٹھا اُٹھا کر
 ہوا ہوں تب میں پتوں کا بلدہ ، خدا خدا کر ، خدا خدا کر

آخر ترے فراق میں میرا ہوا وصال دیکھا نہ شامِ ہجر نے روے سحرِ ہلوز
 کچھ نہ پوچھو ہم سے ، جو اُٹھا شکرِ رنجی میں لُطف ؟

سجدے میں قلمِ مکرر یار کی تکرار ہم

نقش پا کی طرح مت کر پائمال ، اب تو ، او ظالم ، متے جاتے ہیں ہم
 جلد دنیا سے اُٹھا لے ، اے فلک ، چشمِ عالم سے گزے جاتے ہیں ہم
 ایک خوش آتی نہیں تیرے بغیر ، لاکھ شکلوں دل کو دکھلاتے ہیں ہم
 اور کچھ حاصل نہیں ، پر نام کو عاشقوں میں تیرے کہلاتے ہیں ہم

آنکھ مجھ سے پھر کر کہتا ہے وہ : گودیں ایام دکھ لاتے ہیں ہم
 نونے نظروں سے گرایا کھا ہمیں ، سب کی نظروں سے گزے جاتے ہیں ہم
 ایسی خوش آتی ہے از خود رفتگی آپ میں برسوں نہیں آتے ہیں ہم
 یہ غذا لکھی تھی کھا تقدیر میں ؟ کہوں ، فلک یوں ٹھوکر میں کھاتے ہیں ہم ؟

دل ہے اُٹھنے وہ ہے پرتو فگن : یار کو آغوش میں پاتے ہیں ہم

موت آنی مگر نہ یار آیا : اتر انتظار کو دیکھا

نہ آئے آپ مہیں ہم ' یار پور کھا آکر : مزاج اپنا یہ خود رفتگی پسند ہوا
شراب پی کے مہیں ' اے محتسب ' دعا دوں گا جو روز جمعہ در میکھد نہ بلند ہوا
اتھا جو بزم سے ساقی پکڑ لھا دامن مہیں آج دستِ سہو کا نہاز بلند ہوا

زاہد نے طوفِ حرم کا کیا ' ہلکدو نے بُت کو سجدہ کھا
ناکام وہ ہوں مجھ سے " گویا " یہ بھی نہ ہوا وہ بھی نہ ہوا

چشمِ جاناں کو دل زار نے سونے نہ دیا
رات بھمار کو بھمار نے سونے نہ دیا
وصل مہیں آنکھ لگی تھی کوئی دم ' اُس کے عوض
عمر بھر چرخِ جفا کار نے سونے نہ دیا

نہا جو افتادگی شعار اپنا نہ زمیں سے آقا غبار اپنا
ہاتھ مہیں سبختہ توڑتا رہا گردن مہیں ہم سے آزدہ دل گہر و مصلماں نہ ہوا
اِس تمنا مہیں ہم ' افسوس ' ہوئے سودائی ' تھوڑے ہاتھوں سے مگر چاک گریباں نہ ہوا
مرضِ عشق مرا دیکھ کے عہسی نے کہا : ہیہ وہ درد کہ جس کا کبھی درمان نہ ہوا

نہ آنے کا ترا شکوہ عبث ہے کبھی مہیں آپ مہیں آیا تو ہوتا
اگر آنکھیں مہیں دی مہیں خدا نے کبھی اُس بُت کو دکھایا تو ہوتا
کہتا ہے مسیح ' جن کو جاں بخشے اُن ہونتوں نے ' آہ ' ہم کو مارا

توڑ سکتے نہیں اک تار بھی اب ضعیف سے ہم
چاک کرتے تھے کبھی اپنا گریباں کھسا

ناز و غمزے نے ' چشم و ابرو نے انہیں دو چار نے مہیں مارا
دھویِ خون بہا کریں کس سے ؟ چشمِ مہتخوار نے مہیں مارا

فلجہ کوئی کہتا ہے ' کوئی وہم ' دھن کو
کچھ منہ سے تو بولو کہ یہ عقدہ کہیں حل ہو

دیکھ ' اے مجنوں ' مری فریاد کی تاثیر کو
دیدہ گریاں بدایا حلقہ زنجیر کو

یہاں شکوۂ قاتل سے نہ آلودہ زباں ہو ' جو زخم لگے وہ پے شک رائے دہاں ہو
وہ کون سی جا ہے کہ نہیں جلوہ نما تم تسہر نہیں معلوم کہ کس جاہو ' کہاں ہو

کوسٹم ہو جو ہانہ اُٹھا کر تم اپنے نزدیک تو دعا ہے یہ

کہا ہی ' نام خدا ' ہے مہرا صلام بُت جسے کہتے ہوں خدا ' ہے یہ

دل بھی اُس سے اُٹھا نہیں سکتے : ناتوانی سی ناتوانی ہے !

تہجہ سے مغرور کی جھکی گردن : یہ بھی اک شان کبریائی ہے

آپ کو جانتا ہے اُٹھ لے : صاف یہ اُس کی خود نمائی ہے

حُسن نے ملکِ دلِ کہا تاراج ' حضرتِ عشق کی دعائی ہے

اُلفت یہ چھپائیں ہم کسی کی : دل سے بھی کہیں نہ اپنے جی کی

ٹھکرا کے چلے جیہوں کو مہری : قسمت کے لکھ نے یارِ دی کی

جو پلہاں تھا وہی ہر سو عیاں ہے یہ کہہ لیں ترانی اب کہاں ہے ؟

حسرت دیدار نے مجھ کو کہا یہ بھھواس :

جستجو تھری وہی گو تو نظر آیا مجھ

اُٹھ کے اُس پہلو میں تو بھٹھا تو ' فرط شوق سے '

دل بھی اِس پہلو سے اُس پہلو نظر آیا مجھ

بعد مرنے کے گریبانِ کفن ثابت رہا

ہانہ ایسا آج بے قابو نظر آیا مجھ

یہ کس مست کے آنے کی آرزو ہے ؟ کہ دستِ دعا آج دستِ سہو ہے

کلسعائیں مہیں چاکر ہر اک گل کو دیکھا ! نہ تھری سی رنگت نہ تھری سی بو ہے

نہ ہوگا کوئی مجھ سا معرہ تصور ! جسے دیکھتا ہوں ' سمجھتا ہوں تو ہے

نسانوانی یہاں پر پرواز ہے رنگِ رُخ کے سانہاڑ جاتے ہیں ہم
دیکھتے اب شامِ غربت کیا دکھائے رخصت اے صبحِ وطن جاتے ہیں ہم

وہ نہ اپنا ہوگا، گو سرِ کات کر دکھلاے کوئی
پانوں پتھر کر کس لئے اب دردِ سر پھدا کروں؟

نہ مر کے بھی توی صورت کو دیکھنے دوں گا
پتروں کا غہر کی آنکھوں میں وہ غبار ہوں میں

زندہ جاوید ہونے کی تمنا ہے اگر
پہلے مرنے سے ملاوے آپ کو تو خاک میں

ایلی مڑہ پہ لختِ جگر یوں ہے جلوہ گر: روشن چراغِ جھوسے لبِ آبجو کریں

جو ہمیں بھول گیا ہے ظالم، اُس کو ہم یاد کیا کرتے ہیں
ہم بدلے چاند کے ہالے ”گویا“
گرد اُس مہ کے دھا کرتے ہیں

وصل اگر مظلوم تھا پرویز کا گھر کھودتا
کوہ کن دیوانہ ہے شہر میں تو پتھر میں نہیں

پتوا ہے اس پہ تو زلفِ درازِ یار کا سایہ
قہامت تک شبِ فرقتِ سحر ہووے تو میں جانوں

درد پہلو میں رہا کرتا ہے، جب سے تو نہیں
ہجر میں بھی ایک دم خالی مرا پہلو نہیں

یہی کہ کہ کے ہجرِ یار میں فریاد کرتے ہیں
وہ بھولے ہم کو بیٹھے ہیں جلوہ میں ہم یاد کرتے ہیں

سمجھ کر چھوڑ، او مشاطہ، اُس کی زلفِ پُر خم کو
نہ برہم کر، خدا کے واسطے، اسبابِ عالم کو

چلے ہیں کوچہ جانان میں آہِ آتشیں کرتے:
لہے جاتے ہیں اچھے ساتھ جنت میں جہنم کو

خاک میں جو ملا دیا مجھ کو : آسمان نے زمیں کو سونپا ہے
 کہہ رہے ہیں شبِ فراق میں ہم : آج کس کو اُمید فردا ہے ؟
 مطرب نے ہجرِ یار میں چھوڑا اے اگر آواز گریہ آنے کی پھر نارِ جنگ سے
 مر گئے ہم ، تو صبا لائی جوابِ نامہ وہ ہی ہوتا ہے جو قسمت میں لکھا ہوتا ہے

نہ آسمان کے ہوئے اور نہ ہم زمیں کے ہوئے
 جو تیرے دل سے گئے ہم نہ پھر کہوں کے ہوئے
 پھر کہیں چھپ چھپ کے ہم جانے لگے : لوگ پھر آ آ کے سمجھانے لگے
 دل سے داغِ عشق پوری میں مٹایا چاہئے :
 صبح ہو ، تو شمعِ روشن کو بجھایا چاہئے

ہیں سبکدوش ، سدا قیدِ الم سے آزاد : کب گزرتا نفس ، مرغِ نظر ہوتا ہے ؟
 لگا کر دل بُتِ ناشناس سے ہٹ ہم پھر گئے اپنے خدا سے
 مسلمان بھی کریں سجدے بتوں کو دعا مانگی تو یہ مانگی خدا سے
 ہوں وہ مجرم ، کانپتا ہے خوف سے سارا بدن
 ہاتھ اٹھاتے شرمِ آنی ہے دعا کے واسطے

قصائد

حضرت علی کی مقبلیت میں

ریاضِ دہر میں ہے بعدِ رنج ، راحت بھی
 کہ پھول کھلتے ہوں ، ہوتا ہے جب کلابِ قلم
 یہی اشارہ ہے اب چشمِ مست ساقی کا
 کہ وصفِ کشتی سے میں چلے شعابِ قلم
 عروسِ فکر اُتھادے اب اچھے ملم سے نقاب
 ہوا نکل کے قلمداں سے بے حسابِ قلم

نہ ہو وصل تو رات دن ہے برابر ؛ سحر کی ، نہ کچھ شام کی ، آرزو ہے
کسی گل کے کوچے سے گزری ہے شاید ؛ صبا ، آج جو تجھ میں پھولوں کی بو ہے

تم وفا کا موز جتنا سمجھے اے بتو ، تم سے بس خدا سمجھے
دورے کہا ہو کے خوش سوے مقتل : اُس کے ہم گھر کا راستا سمجھے
جو ہے بہکانہ ، آشنا ہے وہ : ہم جو کہتے ہیں ، کوئی کہا سمجھے ؟

کہو اُس برق و ہوس سے آج لازم ساتھ جانا ہے ؛
جلازے پر ہمارے ابر رحمت شامیانا ہے
گر پہل پہاڑ کر دست جلوں سے ہوگی کب فرصت ؛
ابھی تو دامنِ صبرا کے بھی پرزے اُڑانا ہے

ہوں میں وہ بلبل کہ مثلِ طائرِ قبلہ نما
ملہ نفس میں بھی نہ پھرا خانۂ صہاد سے

عاشق کی آہ جائے گی اب ہوش کے پردے ؛ زلفِ دراز بڑھ گئی قدِ بالمد سے
ہے آہِ ہونکساں کی رسائی ، خدا تلک چوہ جائیے فلک پہ ، دلا ، اُس کمد سے

مآلِ عاشق و معشوق ہے ایک : سنا ہے شمع سوزاں کی زبانی
نہیں بچتا ہے ہمارِ مصیبت ؛
سنا ہے ہم نے ”گویا“ کی زبانی

دم آیا مہری آنکھوں میں ، نہ آئے تم ، نہ آئے تم
اجل بہتر ہے اِس ہر روز کی اُمیدواری سے

مرے گھر سے چلا وقتِ سحر جب وہ بُتِ کافور
خدا کو بھی نہ سونہا میں نے ، یاں تک بدگمانی ہے

ہمیں اِس قیدِ الم سے تو رہائی ہوتی : شبِ ہجراں کے عوض موت ہی آئی ہوتی
بھدا ، آئی اگر بلدۂ نوازی تم کو ؛ اے بتو ، گھر میں تمہارے ہی خدائی ہوتی
راہ دکھائی قیامت وعدۂ دیدار نے : رات دن ہے انتظارِ آمدِ معشر مجھے

غازی الدین حیدر بادشاہ کی مدح میں

خیاں نرگس مہکوں جو تھا دم تحریر
 ہوئی ہے قلمقل مہنایے مے ، قام کی صریر
 وہ مست ہوں کہ مری خاک کا ہے مے سے خمیر
 پلایا ہے مجھ طفلی میں دخت رز نے شہر
 خیاں سلیل خط میں چلوں جو میں وحشی
 قلم کی طرح ، مرے نقش پا بلوں زنجیر
 زباں سے گو نہ کہا حال ناتوانی کا
 شکست رنگ سے کرتا رہا ہوں میں تقریر
 فسادگی مری مایور کلک قدرت تھی
 جہوں نقش قدم پر لکھا خط تقدیر
 وہ شوخ طفلی میں کرتا تھا مشق بہتیاں کی
 صریر کلک پہ رکھتا تھا نہمت تقریر
 نظر پڑی ترے یسمل کی جب سے بیتابی
 مژہ کی شکل ہے جلیش میں جوہر شمشیر
 فلک نے پار ہوئی اپنی آہ نیم شبی
 ہمارے تہر سے صیاد ہو گیا نصیچر
 رفیب دیکھ کے کتے ہیں اس لہے ہم کو
 کہ آب تیغ سے اپنی ہوئی ہے خاک ، خمیر
 مرے سبب سے جلوں کا ہے سلسلہ باقی
 قدم سے ہے مرے آباد ، کوچہ زنجیر

یہ ہے ترے در دولت کی خاک کی تاثیر
 کہ جس فقہر کو دیکھو ہے صاحب اکسیر
 لکھے گا ملشی گردوں کچھ اپنا حال تجھے
 ترا وہ رتبہ ہے ، اے آفتاب عالمگیر

اتھاؤں بھر دھا ہاتھ اپنے اے مولا
 کہ تو ہے شاہ زمن ، میں ہوں تہرے درکا فقہر

اگر لکھوں ترے دریائے فیض کی تعریف
رواں ہو صفحے پہ مانند موج آبِ قلم
شہا، یہ تیری عدالت کا گرم ہے ہزار
کہی ہوا نہ سرِ شمع مانتابِ قلم

نصیر الدین حیدر بادشاہ کی مدح میں
برنگِ گل جسے اب دیکھو وہ خلدائے
بہار عہد سے ہلدوستاں گلستاں ہے
بنایا ہلد کو گلشن بہار نے ایسا
کہ شوقِ سحر میں سرو چمن خراماں ہے
بہار باغ میں کھا کھا کھلا رہی ہے گل
شگفتہ غلچہ ملقار علمدہاں ہے
چمن میں کھچے اشارہ جو سوے نخلِ حلا
تو ساتھ اشارے کے اُنکلی برنگِ مرجان ہے
ریاضِ دہر میں پھرے تو سائے کی صورت
مردانِ دل عقبِ آرزو شتاباں ہے
چمن میں بات جو کھچے تو منہ سے پھول جھڑپیں
اب ان دنوں میں یہ فیض بہارِ بستاں ہے
زمین یہ دانہ جو پھیلا تو گر کے نخلِ ہوا
نمو کی سعی سے صہادِ سخت حیراں ہے
گرا زمین یہ اگر کوئی مورتی کا پھول
صفا سے گوہرِ غلطاں کی طرح غلطاں ہے
کہیں ہے آئنے سے صاف تو زمینِ چمن
کہ اُس سے سبزۂ فارستہ تک نمایاں ہے
نہالِ گلشن تصویر بھی تندر لائیں
بہار کا چمن دہر میں یہ فرماں ہے
ہے شوقِ گل میں عجب رنگِ آج گلچوں کا
جو دیکھو تو گریباں بھی شکلِ دامان ہے

سلام

کہا حضرت نے پانی فوج کو میدوی نہ دیں ظالم
یہ پیاسے وہ مہیں جو پھتے مہیں آب تیغ و خلیج کو
فرشتوں نے کہا شہر کا سر دیکھ نیزے پر
شہیدوں کا کہا سردار 'حق نے ابن حیدر کو

سمجھ کے پانی بلکتا تھا اصغر بے شہر جو اشک بہتے تھے بانو کے دیدہ تر سے
پیدادہ لے گئے نا شام اُس کو کر کے اسیر محال اُٹھتا تھا جس ناتواں کا بستر سے
شقی یہ کہتے تھے پیدل ہی لے چلیں گے ہم علی کا پوتا ہے ہمارا و ناتواں کیسا
دل تگے ہوا 'یاد مجھے آگئے عابد جس وقت کوئی چاک گریباں نظر آیا
نہزوں مڑوں گھرا دیکھ کے اکبر کو شہیدیں فوراً لگے : شہر نوستان نظر آیا
جب تھر کہا کے اصغر بے شہر مریا ' گودی کو خالی دیکھ کے بانو نے یہ کہا :
یا شاہ دیں 'بتاؤ مرا لال کیا ہوا ؟ اصغر کو لاؤ 'خاتی' اکبر کے واسطے
رتبہ نہ کیوں بلند ہو میرے سلام کا ہوں مجرئی حسین علیہ السلام کا
ہانف نے کی ندا کہ سختی کا ہے سر بلند نہزے کی نوک پر جو چڑھا سر امام کا

منہس

بغیر خواب عدم 'شاہ نے نہ خواب کیا ' سوائے آب دم تیغ ' ترک آب کیا
کلا نٹا دیا 'ہرگز نہ اضطراب کیا ؛ سلام اُس پہ جسے حق نے کامیاب کیا
جہاں مہیں شاہ شہیداں 'عطا خطاب کیا

آہی تا رہ قائم یہ آسمان و زمیں
 آہی تا کہ رہ آفتاب و ماہ ملیر
 فلک پہ تا رہیں اختر ' زمیں پہ آدم زاد
 آہی تا کہ رہ برق و وعدہ ابر و مطہر
 مژہ کو تھر کہیں اور کمان ابرو کو
 ہمیشہ یار کی زلفوں کو تا لکھیں زنجہر
 نگاہ یار ہو یارب ' بلاے جاں جب تک
 سواد چشم پری تا ہو سرمے مستحضر
 کمان چرخ ' ترے دوست کی ہر حلقہ بگوش
 تے عدو کو لگائے شہاب ثاقب تھر
 الہی شوق سے تا قرب تیرا حکم دے
 کہا کریں تجھے سب آفتاب عالمگیر

تری بہارِ کرم کا ہے فوض عالم پر
 کہ پھل تو رکھتی ہے تلوار اور پھل سپر
 ہر ایک فوض سے تھرے ہے زندہ جاوید
 یہ کیا ہے دخل کوئی ہو یتیم جز گوہر
 فقہور ' دو یہ ترے جو گیا ہذا وہ غلی
 کہ تھری خاک قدم میں ہے کہہا کا ' ثر
 نسیم صبح کو گر حکم ہو حفاظت کا
 نہ چاک ہووے گریبان غلچہ بار دگو

ترے سحابِ کرم کا جو دشت میں ہو گذار
 تو شاخیں آبروں کی سبز ہو کے لائیں بار
 زمیں پہ ہاتھ جو تو دھوے ' اے سحابِ کرم
 تو آب ' خاک کو بردے طلاء دست اشعار
 جہان و اہل جہاں ' تھرے زیر دست میں سب
 زمیں پہ دست سخاوت ترا ہے ابر بہار
 ہے ایک آئینہ بردار تورا اسکلندر
 مثال قہصر و خاقان میں تھرے خدمتگذار
 جو بھٹے تخت پہ تو سب کہیں سلیمان ہے
 میں دست بستہ کہتے انس و جن یمن و یسار
 اگر بلندی اقبال کا نظارہ کرے
 سر فلک سے گرے آفتاب کی دستار

تھا قصد قتل فوراً ، مگر میں طلب ہوا :
 جلاّد مہربان ہوا ، کہا سبب ہوا ؟
 روتے تھے عقل و ہوش ہی کو ہم تو عشق میں
 لو اب تو دل سے صبر بھی رخصت طلب ہوا
 پامال ہوں گے یار کی رفتارِ ناز سے _____
 یہ معذور بہ بخودی دل ذی ہوش ہو گیا : _____
 اُٹھایا جب دوئی کا اتحادِ عشق نے پردہ
 تو عالم چشمِ مجنوں میں ہوا لہلہائی کے محصل کا
 اظہار عشقِ رنگِ رخِ زرد نے کیا _____
 ہوئی قصائے عدویٰ ' ادا ' اپنی زیر تیغ _____
 مژدہ ، اے دل ، کہ بس اپنی اجل آ پہنچتی
 حسرت ، اے جان ، کہ ہم سے در جانل چھوٹتا

چوم لیں تھمے میں آج اُن کی نشوونما نکھیں
 عین بے ہوشی لذت میں بھی ہشوار رہا
 ادا سے دیکھ لو جانا رہے کلمہ دل کا _____
 آہی خیر ہو کچھ آج رنگِ بوندِ لب ہے _____
 بہرا جو کوچہ قاتل سے کوئی پوچھوں گے _____
 وہ ظلم کرتے ہیں ہم پرتو لوگ کہتے ہیں _____
 ہزار فصل کُل آئے ' چمنوں ' وہ جوش کہاں ؟ _____
 پوچھا صبا سے اِس نے پتا کوئے یار کا _____
 دیکھو ، ڈرا شعور ہمارے فہار کا !

دور آخر میں مجھے جام دیا ، اے ساقی
 بارے صد شکر کہ اب بھی میں تجھے یاد آیا
 سچ تو ہے حضرتِ انساں ہے عجب خود مطلب
 جب دیے رنجِ بے تم نے تو خدا یاد آیا

قلقی

آفتاب الدولہ خواجہ ارشد علی [۱] خاں "قلقی" خواجہ بہادر حسون
 "فراق" کے بھتیجے، لکھنؤ کے رہائے والے خواجہ وزیر کے بھانجے اور شاگرد تھے [۲] -
 عرصے تک واجد علی شاہ کے مصاحب خاص رہے۔ جب وہ لکھنؤ سے کلکتے آئے تو
 "قلقی" بھی اُن کے ساتھ تھے۔ اُن کی مثنوی "طلمسم الفیت" مشہور ہے۔ دیوان
 "مظہر عشق" کے نام سے مطبع نولکشور کانپور (۱۳۲۹ھ) میں چھپ گیا ہے، جو
 تمام اصناف سخن پر حاوی ہے۔ ۱۲۸۱ھ کے بعد وفات پائی۔

غزل میں خواجہ وزیر سے علیحدہ آمد کی شان دکھاتے ہیں، جرأت کی
 طرح معاملہ بلندی کی جھلک موجود ہے، زبان کی سلاست کو ہاتھ سے جانے
 نہیں دیتے۔ غزل کی طرح اور اصناف میں بھی اُن کا رنگ یکساں ہے۔

غزلیات

صدائے آہ ہے مضرب غم کی، چھتہ سے پیدا
 دل نالیں نہا پردہ ہے قانون محبت کا
 کھلا ہے آبشاری سرشک غم سے سولے میں
 مرے گلشن میں لالہ نام ہے داغ محبت کا

[۱]—سین شعرا میں خواجہ اسداللہ نام لکھا ہے، لیکن یہ غلط ہے۔

[۲]—سین شعرا و تاریخ ادب اردو ج ۱، ص ۳۰۶۔

دو روزہ عمر، قفس میں کٹی کہ کلمش میں
 ہر ایک طرح سے ہوجائے گی بسر، صہاد

ہے زاہدوں کو مزدِ عبادت کی چشم داشت
 مہربی نظر ہے اُس کی کرم کی نگاہ پر

اِن واعظوں کی ضد سے ہم اب کی بہار میں
 توڑیں گے توبہ پیور مغال کی دکان پر

بے ابر رند پوچھے نہوں، واعظو، شراب
 کرتے ہیں یہ گناہ بھی رحمت کے زور پر

حسرتِ قاتل میں مرنے ہوں تامل کیا ہے
 بے کلمشی یہ نظر کچھ مری، جلاہ، نہ کر

واعظ! ہے اِن میں صاحبِ دہشت ایک ایک
 کیا پوچھتا ہے حال مریدان مہذوہش؟

اے قل، کہاں سے لائے گی ایسا بھیاں کا رنگ
 نری بلندگی اور سیہ کار مجھ سا! یہ سر اور ترے آستانے کے قابل!

آئے ہستی میں عدم سے کرچلے کہا کام ہم
 اپنے ذمے لے چلے اک مفت کا الزام ہم
 ابتدائے محبتِ دل کی یہ نہ تھی ہم کو انتہا معلوم

نگاہِ پاک سے روئے نکار دیکھتے ہیں
 بتوں میں قدرت پروردگار دیکھتے ہیں
 قابل، ہمارا چھتے جی ہوتا نہ فوصلہ
 پوتی نہ تھری تیغ اگر درمیان میں
 وہ مے پرست ہوں میں جہان خراب میں
 دیتا ہوں نقدِ ہوش، بھائے شراب میں

اعجاز ہے کہ سحر ہے چشم سیاہ میں
 سو سو مزے ہیں یار کی اک اک نگاہ میں

لکھی تھی کس مزے کی فقہری نصیب میں
 بسترِ نگائے پوتی میں کوئے حبیب میں

چاو دن بلبل بے کس نہ دھی بے کہتکے
 کبھی گل چوں جو کھا باغ سے صہاد آیا
 کسی نے بعد ہمارے نہ بادہ خواری کی قہارہ رند رہے ، مہکدہ خراب رہا
 دم کی آمد شد نے وقت نزع یہ دھوکا دیا :
 طائر جساں پر ، کمان نامہ بر ہونے لگا

بیہچا نہوں ہے گریہ شبلم دم سحر لبریز ہو چکا ہے یہ۔الا گلاب کا
 پوری ، جگر سے داغ محبت مٹانے کی آیا قریب وقت غروب آفتاب کا
 ہم نے احسان اسہری کا نہ برباد کیا مرنے دم مدد طرف خانہ صیاد کیا
 دھا تری یاد کریں گے ، فلک نا انصاف ، دل ناشاد ہمارا نہ کبھی شاد کیا
 کفر و اسلام کے جھگڑوں سے چھڑایا ، صد شکر ! قید مذہب سے جلدوں نے مجھے آزاد کیا

صاف لکھ بیہچا جواب اُس نے مری تحریر کا
 لو لفاظہ کھل گھا سارا خط تہ۔دیر کا

جان بچ جائے جو دیدار دکھا دے ایلا چشم بدستار سے سائل ہوں ، مسہکائی کا
 اپنے بہمار محبت کا کیا خوب علاج اسی مذہ پر تمہیں دعویٰ ہے مسہکائی کا
 ملال شوق میں کھا عشق نے کی راہزنی قافلہ لوت لیا صبر و شکیبائی کا
 کھا کھا نہ اپنے عشق پہ ہم کو غرور تھا ہمت کا زاہدوں کی سراسر قصور تھا
 لاکھ دل عشق میں ساقی کے سنبھالا لہکن نشہ بادۂ اُلفت نے سنبھلنے نہ دیا

یاں عشق مجازی میں حقیقت یہ نظر ہے
 بت بوجھے میں کوئی پرستار محبت ؟
 کر دیا دل نے ہمیں مَرور الزام عبت وہ ہمارے نہ ہوئے ہم ہوئے بدنام عبت
 بے سبب یہ نہیں سرگوشی ارباب فساد
 عشق صادق کا مرے فاش ہوا راز کچھ آج

پروانہ بن کے صدقے ہو روئے نگار کے _____ کہ دو یہ شمع سے سرِ مستفل پکار کے

پہلو میں مجھ حویں کے تھکتا ہے راتِ دین

یارب ' یہ دل ہے یا کوئی پھوڑا بغل میں ہے ؟

چشمِ باطن ' اگر اعجازِ تصور سے کہلے ' _____ بند آنکھیں دھیں اور اُن کا نظارا کیجے

یمانہ اِن کا بیمانہ ہے ' بیمانہ یمانہ ہے ؛ _____ خدائی سے نہالا اِن بتوں کا کارخانہ ہے

طلسمِ نوجوانی تھا عجب اِک وقت ' او پیری ' _____

زمانہ خود فراموشی کا اپنی یاد کھا کیجے ؟

اُتھ کے اِس کوچے سے ' جاگر کہوں ہم کھا کرتے ؟

دہِ ترا ہوتے ہوئے طوفِ حرم کھا کرتے ؟

جانتے تھے کہ سلامت نہ پھرے گا قاصد

خط میں تاکیدِ جواب اُن کو رقم کھا کرتے ؟

سراے دھر یہ دم لہلہے کا مقام نہیں _____ مدد کے قافلے والو ' قدم بوجائے ہوئے !

"قلق" یہ قولِ بزرگوں کا راستہ واللہ _____ نہ آزماؤ اُنہیں جو ہیں آزمائے ہوئے

کس چہن سے گزرتی ہرندانِ مست کی ؛ _____ سوتے ہیں خشتِ خم کو سہانے دھرے ہوئے

واعظ کی ضد سے رندوں نے رسمِ جدید کی _____ یعنی مہِ صہام کی پہلی کو عہد کی

جنتِ وصال یار ہے ' دوزخِ فراق یار _____ عاشق کو کھا غرض ہے نعیم و جہیم سے

آثارِ دھانی ہوں یہ دل بول رہا ہے _____ صہادِ ستمگر مرے پر کھول رہا ہے

وہ ہم اسودِ قفس میں کہ مرے چھوٹیوں کے _____ ہمیں ہے ایک ' خزاں اُنے یا بہار اُنے

قصائد

واجد علی شاہ کی مدح میں

زبس ہے جوشِ یہ اِن روزوں خونِ رنگِ بہار

تڑپتی ہے رگِ گلِ مثلِ نبضِ عاشقِ زار

تہیز اگر وہ نہ تجھے خوب و زشت میں
اے جمال یار، نظر سلگ و خشت میں
حدروں سے بھی ترا ہی پتہ پوچھتے پھرے
اے کوئے یار، تجھ کو نہ بھولے بہشت میں
حدروں کا ہو گھا ہے تماشا ترا شہید
مہلا لگا ہوا ہے ریاض بہشت میں
تو ہی ملصف ہو کچھ 'اے موسم پوری لہ
نوجوانی کے مزے یاد کروں یا نہ کروں
دل جلانے کو مرا تہندہ ہوا انہوں
بڑھ گئیں مے کی دکانیں تو گھٹائیں انہوں
دیر و حرم میں سروسہ جھکائیں محال ہے
جو سجدے کرنے والے ترے استعاج کے ہیں
پرچھو نہ کچھ خرابہ نشہلوں کا حال زاد
ہم خاک میں ملائے ہوئے آسمان کے ہیں

بہارِ عیش ہوئی ہے خزاں ' پوری ہے آنے کو ؛
جوانی دو تھی جاتی ہے ' کہیں کس سے منانے کو ؟
مری پے خان و سانی کچھ نہ پوچھو ' میں وہ بدیل ہوں
جگر دل میں گلوں کے دھونڈتا ہوں آشیانے کو

کہ دوں ابھی ' معاف جو میرا قصور ہو :
کہنے کو آدمی ہو ' مگر رشک حور ہو
جان دیلے میں تو ' اے ہملفسو ' پاک نہوں
پاس انڈا ہے کہ رسوائی صہاد نہ ہو
لائی تو ہے آزا کے صبا کوے یار سے
دور ہے نہ مہری خاک کی مٹی خراب ہو

کہتے ہیں طالب دید ' ایک نظر دیکھیں تو '
ترجہی نظروں ہی سے دیکھوں وہ ادھر دیکھیں تو '

گہر دل میں کر کے سیر دل داغدار دیکھ ؛
اے جان ' خانہ باغ کی آکر بہار دیکھ
ہے نورِ حسن ' مانع دیدار روے یار
آنکھیں پکے رہی ہیں : اے بار بار دیکھ

جان بھچھوں ' نہیں پاتے ہیں خریدار ایسا
سر بکف پھرتے ہیں ' ملتا نہیں جلاں کوئی

لے گھا عشق بے جاں پھوڑ کے ' واعظ ' سوے دیر
طرف کعبہ جو ' اے قبلۂ حاجات ' چلے

شمع، فانوس سے جس طرح نظر آتی ہے
یوں عیاں ہوتی ہے پرشاک سے تلویر بدن
حُسنِ گلگونِ صبا دم کی لکھوں کیا تعریف
حور کا مکھوڑا ہے کندے میں ہے طاؤس چمن
دمِ گلگشتِ ارادہ جو ہو تھمرانے کا
صفت ہوے گل اُز جائے وہ دیوار چمن
وہ پری، زیبِ کمر دھتی ہے ہر دم تلوار
تہنغِ ابرو سے کہیں اُس پہ سوا ہے جو بن
پلا دے ساقی مہرِش مجھے شرابِ طہور
جھکا دے گردن مہلا پرنگ شیشہ سے
کرم سے شہ کے کُدا بھی ہے شاہ کھلتا
کہ لب پہ جام کے ہے "اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُور"
دکھا دے جلوۂ مہتاب اُتھاکے جامِ بلور
کہ پانو توڑ کے بیٹھا تو ہو گھا تیسر

سواہی کی تہریف میں

اُتھاؤں عنانِ کمیتِ قلم
سوئے کر بلا جنبِ سواہی چلی
دکھاؤں سواہی شہ کا حشم
گلستانِ کو بان بہاری چلی
چلا جب ہوادارِ مثلِ نسیم
مِعطرِ دماغِ ہوا ہو گیا
شکرستہ دالِ مدعا ہو گیا
گلِ باغِ جنت کی پھیلی شمیم

عید کی تہنیت میں

خدیو جہاں، شاہِ عالم یلغار
بہارِ گلستانِ ہندوستان
نریا وقار و فلکِ بارگاہ
جہاں پرورِ جانِ ہندوستان
مہِ برج شوکتِ دُر درجِ جاہ
فریدوں وقار و سلیمانِ حشم
دُرِ بصرِ بخششِ یمِ عدل و داد
حسن و معین و ذہین و ذکی
"قلق" تو کہاں مدحِ سلطان کہاں
اُتھا کر سوئے قبلہ دستِ دعا
خداوندِ عالم سے کر العجا
خدا ترسِ راحتِ رسانِ خوہنِ نہاد
خلیق و سخیِ عابد و متقی
بس اب روک لے اپنے دستِ وزبان
خداوندِ عالم سے کر العجا

بنے ہیں صاف ہم آواز گلرخاں عاشق
 شکست رنگ کی آواز ہے ترانہ یار
 ہزار شکر کہ پھولوں سے آشہاں چھایا
 بہت دنوں میں ہر آئی مراد بلبل زاد
 پڑے جو رنگ گل تر کا عکس دریا میں
 صدف میں دانہ مرجاں بنے درِ شہوار
 دکھا رہی ہے یہ وحدت میں کثرت آج بہار
 ریاض دھر میں ایک ایک گل بنا گزار
 رواں ہے آب گہر میں فقہر کی کشتی
 سحاب چود و سخا اس قدر ہے گوہر بار
 چمن چمن ہے زمیں بارہاں سحاب کرم
 بنے ہیں گوہر خوش آب دانہ ہائے انوار
 وہ نور کے ہیں معانی وہ نور کے مقسموں
 ہر ایک مطلع عالی ہے مطلع انوار

باغبان سمجھے فلک سے کوئی تارا توڑتا
 ثوت کر کوئی زمیں پر جو گرا برگ سمن
 چھپ گیا چاندنی کا بھول جو پتوں میں کوئی
 شبہہ گنجوں کو ہوا صاف کہ ہے چاند گہن
 جوش گل ہے یہ چمن میں خس و خاشاک ہیں کم
 آشہاں پھولوں سے چھاتا ہے ہر ایک مرغ چین
 یہ ہوا چلتی ہے جان بخش عجب کھا ہے اگر
 مرغ تصویر بھی درواز کرے سوے چمن

مطلع

رخ پر نور پہ ملدیل کا دیکھو جوبن
 آسمانی اگر اطلس ہے تو سورج کی کرن
 قطع ہو پڑے کے پے جامہ حریر شعلہ
 شمع قامت کو ہو درکار اگر پھراہن

ضمیمہ

مہر مظفر حسین ”ضمیمہ“ پبلکھور‘ ضلع گڑگاواں کے رہنے والے تھے۔ ان کے والد مہر قادر حسین [۱]، نواب آصف الدولہ کے خواجہ سرا میاں الماس کے ملازم تھے۔ نواب آصف الدولہ نے جب فیض آباد چھوڑ کر لکھنؤ آیا تو مہر قادر حسین بھی مع اپنے صاحبزادے مہر ضمیمہ کے لکھنؤ چلے آئے۔ مہر ضمیمہ ”مصطفیٰ“ کے شاگرد تھے [۲]۔ تھوڑے دنوں میں کافی شہرت حاصل کر لی اور مرثیہ گوئی سے زیادہ مرثیہ خوانی میں مشہور ہو گئے۔

کہا جاتا ہے کہ یہ اردو میں رزمیہ شاعری اور سراپا کے موجد ہیں۔ رزمیہ شاعری کے لئے جن اوصاف کی ضرورت ہے ان کے مرثیوں میں موجود ہیں۔ مرثیوں کا مجموعہ شائع ہو چکا ہے۔

مرثی

صبح کا سماں

نکلے جو سر مہر گریبان سحر سے انجم کے گہر گو گئے دامان سحر سے
مہتاب کا رنگ آرزو کیا دامان سحر سے روشن ہوا صحرایہ رخ تابان سحر سے
جو وادیِ اہمن میں ہوا طور کا عالم
وہ خمٹہ شہر میں تھا نور کا عالم

وہ نور کا توکا اُدھر اور صبح کا عالم گہٹلا مہ و انجم کی تجلی کا وہ کم کم
آتی تھی صدائے دہل صبح بھی پیہم چلتی تھی نسیم سحری دشت میں ہم ہم
کرتا تھا چراغ سحری عزم سفر کا
اور شور درختوں پہ وہ مرفان سحر کا

[۱]۔ سخن شعرا میں میر قادر علی نام لکھا ہے۔

[۲]۔ تاریخ ادب اردو ج ۱ ص ۲۳۱۔

فلک پر درخشاں ہیں تامل و مہما زمیں پر ہیں ناچشمہ و بھروسہ چاہ
جہاں ہووے اور یہ جہاندار ہو خدا اس کا یار و مددگار ہو
یہ سلطان عالم سلامت رہے
سلامت رہے ہا کرامت رہے

رباعی

یا رب، تیری وہ فہم دساں ہے درگاہ پوچھتا نہیں محروم کوئی حاجت خواہ
فہموں سے کروں سوال تیرے ہوتے لا حول و لا قوۃ الا باللہ

آج کی رات جو گھر میں مجھے [۱] مہمان کرے
 یہ یقین ہے کہ محمد یہ وہ احسان کرے
 کہا طوع نے کہ تو کون ہے اے مرد خدا کہا مسلم نے کہ شہر ہے بھائی مہرا
 سچہ کو سب کہتے ہیں مسلم ہے علی مہرا چچا یہ زیارت تھا مجھے ابن علی [۲] نے بھہجا
 کوئی دے گھر میں جگہ اس کا فقط طالب ہوں
 میں ہی فرزند عقیل ابن ابی طالب ہوں
 گریزی پانڈ پٹوے جو سلی یہ [۳] کُفتار اور لگی کہنے کہ شہزادۂ عالم یہ [۴] نثار
 تھرا دیدار ہے ' فرزند نبی کا دیدار روزگتے پرترے ' لونڈی کا فدا ہے گھر بار
 جان اپنی ترے قدموں میں قربان کردوں
 شوق سے آ کرے گھر میں تجھے مہمان کردوں

[۱] — نل (مجھے گھر میں جو) — [۲] — نل (ہے مجھے سبط نبی) -

[۳] — نل (یہ سنی جب) - [۴] — نل (کے) -

کہا تھا کوئی جلد سکھلے کو جگاؤ اور ماہد بیمار کے شانے کو ہلاؤ
 ہے غم سے بڑی خاک پہ بانو کو جگاؤ ہاں بھیدو ' اب رخصت شہر کو آؤ
 حضرت کی سواری در خیمہ پہ کھڑی ہے
 ہشیار دھو رات تو کل چار کھڑی ہے

حضرت مسلم کوئے میں

شام کو داخل مسجد ہوئے وہ لوگ تمام وقت مغرب کے کہا حضرت مسلم کو امام
 پھیرا مسلم نے جونہی بعد تشہد کے سلام پھر کے دیکھا تو بھونٹو شخص کل اعلیٰ اسلام
 نکلے مسجد سے تو کہا کیا انہوں سو اس نہ تھا
 نو رفیقوں کو بھی دیکھا تو کوئی پیاس نہ تھا
 اس طرح لشکر مسلم جو پراگندہ ہوا حاکم کوئے نے پھیری یہ ملادی اُس جا
 گھر میں مسلم کو اڈر کوئی جگہ دیوے گا صاحب خانہ ہے راہ مورد آفات و بلا [۱]
 ناکے روکے کئے اور راہ گذر بلد ہوئے
 شہر میں مسلم مظلوم نظر بلد ہوئے
 تب کہا حضرت مسلم نے کہ اب جاؤں کہاں واہ! کہا خوب یہ سمجھتے ہیں حقوق میں
 بھوکے پیاسے شب تاریک میں تھے سرگرداں نا درخانہ طوعہ جونہی پہنچے گریباں
 اُس ضعیفہ کو یہ دیکھا کہ دعا کرتی ہے
 در پہ بیٹھی ہوئی کچھ ذکر خدا کرتی ہے
 بولے مسلم کہ بہت پیاس سے میں ہوں بیتاب [۲] پانی دنیا میں پیاسے کو پلانا ہے ثواب
 شہر کا حال دگرگوں چرتھا [۳] اُٹھو وہ شتاب آب شہر پر [۴] سے بے تعجب ہوا ساغر آب
 درتے درتے جو حوالے قدح آب کیا
 طوعہ نے طوعاً و کرہاً انہیں سیراب کیا
 تھک کے بیٹھے وہیں مسلم اُسی دیوار تلے کہا طوعہ نے کہ اُٹھ جا مرے دروازے سے
 ہے بہت شہر پر آشوب یہی در ہے مجھے رو کے اُس پھر ضعیفہ سے کہا مسلم نے

[۱] - نکل یعنی نو لشوری نکلے (صاحب خانہ وہ ہوئے گا گرفتار بلا) -

[۲] - نکل (اُس سے مسلم نے کہا پیاس سے ہوں میرے تاب) -

[۳] - نکل (تھا پہ) - [۴] - نکل (سرد پانی) -

والی ملک، عجیب حال سے کرتا ہے سفر ہر کہیں اُٹھ نکلیں خالی ہوئے سادات کے گھر
 نہ وہ زیلت رہی مسجد کی نہ زیب سہر وعظ ہو جمعے کو اب کون کہے گا جاکر
 اِس طرح گاہے کو مسجد میں اذان ہوئے گی
 اب جماعت کی نماز آہ کہاں ہوئے گی
 ذات شہر تھی اک رحمت رب باری کون اب دکھ میں غریبوں کی کرے گا یاری
 فیض کس گھر سے مدینے میں دھکا جاری پائیں گے کس کی دعاؤں سے شفا، آزادی
 شہر سے ساریہ الطاف خدا جانا ہے
 مشکلیں باقی ہیں اور عقدہ کشا جانا ہے
 راہ میں شاہ کو تھا رنجِ صعوبات سفر سختیاں ہجرت کی صغریٰ پہ گذرتی تھیں ادھر
 تارے گن گن کے شب تار کو کرتی تھی سحر ”ہاے اماں“ ”تھا کبھی لب پہ کبھی“ ”ہاے پدر“
 اِس مصیبت سے اُسے ہجرت کا دن کتنّا تھا
 کہ پرستاروں کا دیکھے سے جگر پھٹتا تھا

خلیق

مہر مستحسن ”خلیق“ مہر حسن صاحبِ مٹلوی ”بدرِ ملہر“ کے چہرے
بہتے، دہلی کے رہنے والے مہر سمہر کے ہم عصر تھے - تعلیم و تربیت فوض آباد
اور لکھنؤ میں ہوئی - شہخ غلام ہمدانی ”مصطفیٰ“ سے مشورۂ سخن کرتے
تھے [۱] - ۱۲۶۰ھ میں وفات پائی [۲] -

کلام میں روانی کی شان، زبان کی حلاوت، مصاکات کی بلندی، طرزِ بہان
میں دل نشین سب کچھ ہے - سب سے زیادہ یہ کہ انہوں نے مہر ”انہس“
کے لئے ایسا مہدان تیار کر دیا کہ اُس میں ان کا کوئی بھی مقابل نظر
نہیں آتا -

مراثی

امام حسین کا سفر

گھر سے جب بھر سفر سہد عالم نکلے سر جھکائے ہوئے با دیدۂ پونم نکلے
خویس و فرزند کمر باندھ کے باہم نکلے روکے فرمایا کہ اِس شہر سے اب ہم نکلے
رات سے گریۂ زہرا کی صدا آتی ہے
دیکھیں قسمت ہمیں کس دشت میں لے جاتی ہے
یہ بہان کر کے چلے واپس سے شہ کون و مکں پر کسی چہرے پہ چھائی تھی تو آنسو تھے رواں
لوگ سر پھٹ کے اُس دم ہوئے یوں گریہ کلاں پہنچے تابوت کے جس طرح سے ہوشور و فغان
فل تھا، اے سہد ذی جاہ، خدا کو سونپا
اے مدینے کے شہلشاہ، خدا کو سونپا

[۱] - کاشن بیطار، سخن شہرا، آبِ حیا و خدمتائے جاوید -

[۲] - مقدمۃ روحِ انیس ص ۱۳ -

اِس باغ مہیں چشمے ہوں ترے نہض کے جاری بلبل کی زباں پر ہے تری شکر گزاری
 ہر نخل پرومند ہے یا حضرت باری پہل ہم کر بھی مل جائے ریاضت کا ہماری
 وہ گل ہوں عداوت ' چمن طبع نکو کو
 بلبل نے بھی سونگھا نہ ہو جن بھولوں کی بو کو
 قواص طبعیت کو عطا کر وہ لالی ہو جن کی جگہ تاج سر عرش پہ خالی
 ایک ایک لڑی نظم ثریا سے ہو عالی عالم کی نگاہوں سے گئے قطب شمالی
 سب ہوں دُر یکتا نہ علاقہ ہو کسی سے
 نذر اُن کی یہ ہوں گے جلیہیں رشتہ ہے نبی سے
 بھرتے دُر مقصود سے اِس دُر ج دعاں کو دریائے معانی سے بڑھا طبع رواں کو
 آگاہ کو انداز [۱] تکلم سے زباں کو عاشق ہو فصاحت بھی وہ دے ' حسن ' بھیاں کو
 تحسین کا سموات سے غل تا بہ فلک ہو
 ہر گوش بلے کان ملاحیت وہ نمک ہو
 تعریف مہیں چشمے کو سملدر سے ملا دوں قطرے کوچودوں تاب [۲] تو گوہر سے ملا دوں
 ڈرے کی چمک مہر ملور سے ملا دوں خاروں کو نزاکت مہیں گل تر سے ملا دوں
 گلدستہ معلیٰ کو نلے ڈھلگ سے باندھوں
 اک پہول کا مضمون ہو تو سر رنگ سے باندھوں
 گر بزم کی جانب ہو توجہ دم تھریر نہنچ جائے ابھی گلشن فردوس کی تصویر
 دیکھ نہ کبھی صحبت انجم ' فلک پیو ہو جائے ہوا ' بزم سلیمان کی بھی توقیر
 یوں تخت حسلمان معانی اُنر آئے
 ہر چشم کو پریوں کا اکھاڑا نظر آئے

تعلیٰ

اے شمع قلم ' روشنی طور دکھا دے اے لوح ' تجلی رخ حور دکھا دے
 اے بکھر طبیعت ' گہر نور دکھا دے اے شاہد معلیٰ ' رخ مستور دکھا دے
 بزم قم شہید مہیں وہ جلوہ کری ہو
 خورشید جہان تاب چراغ سحری ہو

[۱]—”نڈ“ سے ٹرل کشور پریس کا اور ”ن“ سے نظامی پریس ہدایوں کا مطبوعہ نسخہ

مراد ہے - نڈ (آغاز) - [۲]—نڈ ' ن (آب) -

انیس

مہر بہر علی "انیس" مہر مستحسن "خلع" کے بیٹے مہر حسن کے پوتے اور مہر صاحبک کے پر پوتے تھے۔ ان کے آبا و اجداد نے دہلی میں قیام کر لیا تھا، مگر اصلی باشندے ہرات کے تھے۔ جب دلی آخری تو ان کا خاندان فیض آباد چلا آیا۔ یہیں محلہ گلاب باڑی میں ۱۲۱۶ھ میں مہر انیس پیدا ہوئے۔ یہ آصف الدولہ کا زمانہ تھا۔ امجد علی شاہ کے زمانے میں ان کے والد نے فیض آباد چھوڑ کر لکھنؤ میں قیام کر لیا۔ مہر صاحب نے ابتدائی کتابیں فیض آباد میں مہر نجف علی سے پڑھیں اور پھر لکھنؤ میں مولوی حیدر علی لکھنؤ سے عربی کی تحصیل کی۔ فن شاعری بالخصوص مرثیہ گوئی اور مرثیہ خوانی میں ان کو اپنے والد سے تلمذ تھا۔ ۱۲۹۱ھ (۱۸۷۳ء) میں وفات پائی [۱]۔

مہر صاحب ایک ہی مضمون کو جتنی بار باندھتے ہیں، نہا لطف حاصل ہوتا ہے۔ صبح، تلوار، کھوڑے کی تعریف، مہمان جنگ، سرپا کو بھسیوں جگہ نئے نئے انداز سے باندھا ہے۔ اس قسم کی شاعری کے لئے جن معمولی اور لفظی خوبیوں کی ضرورت ہے وہ سب مہر صاحب کے کلام میں موجود ہیں۔

مراثی

مناجات

یارب، چمن نظم کو گلزار ارم کر اے ابر کرم، خشک زراعت پہ کرم کر
تو فیض کا مبداء ہے توجہ کوئی دم کر کلمات کو احجاز بہانوں میں رقم کر
جب تک یہ چمک مہر کے پرتو سے نہ جائے
اقلہم سخن مہرے قلمرو سے نہ جائے

[۱]—مضامین جاوید و مقدمہ روح انیس و تاریخ ادب اردو ج ۱، ص ۳۱۷۔

دھالوں سے بدن اچھے چھپاتے [۱] تھے سہہ کار؟
 اُس دست زبر دست کا رکھتا تھا کوئی وار؟
 کچھ امن نہ تھا خود و زور سے ' تن و سر کو
 سیلے سے گذر جانی تھی دو کر کے سپر کو
 کاتے ہوئے پھل برجھوں کے ' دن مہوں پڑے تھے
 سہمے ہوئے گوشوں مہوں کماندار کھڑے تھے
 چھاپا تھا ہراس اُن پہ ' ہمیشہ جو لڑے تھے
 آنکھیں وہ چراتے تھے ' بہادر جو بڑے تھے
 دہشت سے زور پوشوں نے جی چھوڑ دیا تھا
 اُس تیغ نے تھغوں کا بھی ملہ مور دیا تھا
 تھے برجھوں والوں کے پردے بے سر و بے پا
 برجھی تھی کہیں ' ہاتھ کہیں اور کہیں پھلچا
 تھا نہر تلک موج زن اک خون کا دریا
 بہتے تھے حجابوں کی طرح سے سرِ اعدا
 دہشت سے تلاطم تھا ہر اک فوج عدو مہوں
 منچھلی سے نڑپتے تھے زور پوش لہو مہوں
 چلاتے تھے اعدا: کوئی بلتی نہیں تدبیر
 دم بلند ہیں ' ماریں کسے تلوار ' کسے نہر
 جس وقت علم ہو کے چمکتی ہے یہ شمشیر
 پھر جاتی ہے آنکھوں کے تلے موت کی تصویر
 کہا ہوتا ہے دھالوں کی جو بدلی سی جھکی ہے
 بجلی بھی کہیں ابر کے روکے سے دکی ہے
 بیکار تھے جلاؤں کے نہڑے دم پیکار
 تلوار سے ملتی نہ تھی [۲] مہلت کہ چلے وار
 حلقہ کیے اُس شہر کے درپے تھے کماندار
 چلے سے مگر جس نے ملایا لب سوندار

[۱]—نڈ (چھپائے) -

[۲]—نڈ (تھی نہ) -

اے طبعِ رسا ، خلد کا گلزار دکھا دے اے باغِ سخن ، گلشن بے خار دکھا دے
 اے شمعِ زباں ، لہجہ انوار دکھا دے اے حسنِ بھان ، خوبیِ گفتار دکھا دے
 لوزاں ہے قدمِ خامہٗ اعجازِ رقم کا
 ہاں تیغِ زباں ، آج تو کرِ کامِ قلم کا
 مائی کو بھی چھرت ہو وہ نقشا نظر آئے بہتا ہوا اک نور کا دریا نظر آئے
 اللہ کی قدرت کا تماشا نظر آئے سب بزم کو جھدر کا سراپا نظر آئے
 مہتاب تو کیا ہے ، رخِ خورشید بھی فق ہو
 جو بلند ہو ، تصویرِ تجلی کا ورق ہو

خاموش ، زباں ، دعویٰ بھجا نہیں اچھا ہو جس میں تکررِ سخن ایسا نہیں اچھا
 بس بس یہ غرور اور یہ دعوا نہیں اچھا آپ اپنی ثنا ، وا ، یہ شیوا نہیں اچھا
 کم مایہ کمال اپنا جتنا دیتا ہے اکثر
 جو طرف کہ خالی ہے صدا دیتا ہے اکثر
 خورشید کو کچھ حاجت زہور نہیں زہار پھولوں پہ کوئی عطر لگائے تو ہے بیکار
 اعلیٰ ہے اگر جلس تو کیا حاجت اظہار خردِ مشک ہو خوشبو ، نہ کہ خوشبو کہے عطار
 جو بد ہے سو بد ہے ، جو نکو ہے وہ نکو ہے
 چھہلے کی نہیں آپ ، اگر عود میں بو ہے

ابنِ مظاهر کی جگ

یہ کہتے ہی جوالں کہا شہدیز سبکتاز [۱]
 اُزکر صفِ اعدا پہ گھا- صورتِ شہباز
 رنگِ رخِ افواجِ ستم کر گیا پرواز
 گھوڑا تھا مگر شہر کا تھا جست میں انداز [۲]
 اک دم میں گھا پار ، سواروں کے پرے سے
 مرکو ادھر آیا تو گرے خود سروں کے
 چمکی عجب انداز سے اُس شہر کی قلاوار
 گویا سرِ اعدا پہ گری برقِ شرر بار

ضرب میں فرد ہے ، یہ زور میں لاثانی ہے
 کہتا تھا حر: یہ فقط قوت ایمانی ہے
 زور تھا مجھ میں نہ ایسا ، نہ رغا کی طاقت
 سب ہے یہ سبط ہمدرد کی دعا کی طانت
 کہ کے یہ ، فوج میں پھر تشنہ چکر دُوب گھا
 وردطہ قلزم آذت میں گھر دُوب گھا
 لشکر شام کے بدل میں قمر دُوب گھا
 کشمکش تھی کہ عرق میں گلی تر دُوب گھا
 تھا کبھی شہر سا بپھرا ہوا شمشہروں میں
 کبھی نہروں کے نہستان میں ، کبھی تھروں میں

حضرت عباسؓ کی جنگ

فرما کے یہ تلوار کو صفدو نے نکالا شامہ ہوا دھوار نو کاوے پہ جو دالا
 بہالوں کو اُدھر بڑھ کے سواروں نے سلجھالا بجلی جو گدی ہوگھا لشکر تہ و بالا
 اِس شان سے غازی صف چمکا: میں آیا
 قل تھا کہ اسد لشکر درباہ میں آیا
 دریائے شجاعت میں تلاطم ہوا اِکبار عالم کو قہامت کے نظر اُگلے اُڈار
 ہلے لگے اشجار لڑنے لگے کہسار صحرا سے گریزاں ہوئے اُڈر طرف غار
 جن کہتے تھے: خالق ہمیں اِس آن بچائے
 چلاتی تھیں پریاں کہ خدا جان بچائے

جس صف پہ چلی تھغ وہ بے سرنظر آئی دیتی پہ ہراک لاش توپ کر[ا] نظر آئی
 جب وار گھا قوت چھدر نظر آئی گھ تلک کے نہچے کبھی سر پر نظر آئی
 غل ہوتا تھا ، کرتی تھی ڈوپارا جو سپر کو:
 دو کردیا انگشت سے احمد نے قمر کو
 تھغوں کو نہاموں سے نکلنے نہیں دیتی اِس فوج کا اِک وار بھی چلے نہیں دیتی
 گھروں پہ سواروں کو سلجھلے نہیں دیتی انداز لڑائی کا بدلے نہیں دیتی
 تلوار نہیں برق اجل ہم پہ جھکی ہے
 دھالوں سے کہیں مرگِ مفاجات رُکی ہے

شہباز سا سر پر فرس گھڑ قدم تھا
نکلا بھی [۱] نہ تھا تیر ' کہاں سے کہ قلم تھا

حر کی جنگ

نئی حملے کھے پیہم جو کمانداروں پر
چل گئے تیر ملاہت کے جفا کاروں [۲] پر
چٹکھیاں سب کی دھڑی دہ گلیں سواروں پر
رخ پھرا تھا کہ کوی برق ستمکاروں پر
چل کے خرمن ہوا یوں خاک کہ خوشہ نہ ملا
کشمکش میں کھڑے چھڑنے کو بھی گوشہ نہ ملا
نہڑے فوج ستمگار تھے دیکھے بھالے
دم میں اُس شہر نہستیاں نے قلم کو ڈالے
گرچہ تھے جان لڑائے لڑائے والے
آفت مرگ کو سر سے کوئی کھوں کر نالے
جب سواروں کے پرے چلے پتہ تل جاتے تھے
بلد سب ' ناخن شمشور سے ' کہاں جاتے تھے
الف گرز کو؟ کر دیتے تھے [۳] ہر ضرب میں دال
تھی نئی آمد و رفت اور نئی طرح کی چال
کبھی برجھی کی انی تھی ' تو کبھی تیر کی بھال
کبھی تلوار ' کبھی خلیج پران ' کبھی [۴] ڈھال
ضرب کو روک کے دشمن کو فلما کرتی تھی
دمبدم فوج ستمگر بھی ٹلنا کرتی تھی
شور تھا ' آگ ہے تلوار میں یا پانی ہے
چل بچھے [۵] کشتی تن خون میں طوفانی ہے

[۱]—نڈ (ہی) - [۲]—' سے "روح انیس" مراد ہے - د (خٹا کاروں) -

[۳]—د (گردیتی تھی) - [۴]—د (کبھی کی بجائے ہر جگہ پر "کہیں" ہے) -

[۵]—نڈ (بچھی) -

اس طرح کا اختر کوئی دنیا میں نہ دیکھا
 موسیٰ نے یہ جلوہ بدبویضا میں نہ دیکھا
 فصے سے جو تیوری کو چرہائے ہے یہ جڑار
 گویا کہ میں دو ناخن شہر ابروے خمدار
 بے جنگ ہوئی جاتی ہے کھائل صف کُدار
 ہل جاتی [۱] میں جس وقت تو چل جاتی ہے نلوار
 اس طرح کا صفدر کوئی بستی میں نہیں ہے
 یہ کات کبھی تیغ دو دستی میں نہیں ہے
 گردوں یہ مہ نو کا یہ عالم نہیں دیکھا
 شمشیر ہلالی میں یہ دم خم نہیں دیکھا
 دونوں میں کبھی فاصلہ اک دم نہیں دیکھا
 یوں ربط کمانوں میں بھی باہم نہیں دیکھا
 اک بیت کے یہ مصرع برجستہ ہیں دونوں
 ظاہر میں کشیدہ ہیں یہ دلہستہ ہیں دونوں
 کہتے مہ نو ان کو تو یہ رو نہیں اُس میں
 مہتاب کہیں رخ کو تو گیسو نہیں اُس میں
 ہے اک گل خوردشید سو خوشبو نہیں اُس میں
 آنکھوں نہیں پلکوں نہیں ابرو نہیں اُس میں
 ہو ہے گل تر میں یہ خط و خال کہاں ہے
 قد سرو کا موزوں ہے تو وہ چال کہاں ہے

خط ہے جو شب قدر تو رخ صبح ارم ہے
 کیا قدرت حق ہے کہ شب و روز بہم ہے
 توصیف میں عاجز دم تحریر قلم ہے
 دیکھو خط ریختاں ورق زر یہ رقم ہے
 پہلو میں سحر کو شب دیحور لہے ہے
 ظلمات کو آفوش میں یا حور لہے ہے

مغفر کو جو کاٹا تو جبہیں سے نکل آئی سر پر جو یزوی خانہ زیر سے نکل آئی
 بچلی سی صف لشکر کہیں سے نکل آئی گھ دُوب گئی گاہ زمہیں سے نکل آئی
 فل تھا کہ عجب کہا جو سپر سے نہہیں دکتی
 یہ ضرب تو جہریل کے پر سے نہہیں دکتی

سولے مہیں در آئی تو نئی چال سے نکلی پہلچے کو قلم کرتی ہوئی دھال سے نکلی
 قویہی جو زرہ مہیں تو عجب حال سے نکلی مچھلی سی تڑپتی ہوئی اک جال سے نکلی
 چار آنلے کو آٹھ کہا کات نے اُس کے
 بگھلا دی ہراک کشتی تن گھات نے اُس کے

حضرت عباس پانی لے کر آتے ہیں

لوتا ہوا اعدا سے وہ صفدر نکل آیا بادل کو ہٹا کر مہ انور نکل آیا
 سقائے حرم نہر سے باہر نکل آیا دریائے شجاعت کا شہنادر نکل آیا
 در سے کسی دریاہ نے ضیغم کو نہ روکا ؛
 تلوار اٹھا کر کہا : کہوں ہم کو نہ روکا ؟

حضرت عباس کا سراپا

چترن تو قہامت کی ہے تھور ہوں غضب کے
 اک حملے مہیں سر تن سے اتر جائیں گے سب کے
 فرزند ہیں یہ فخر شجاعانِ عرب کے
 شہر اُن کے ہی تھور سے نکل جانا ہے دب کے
 بچے کبھی اِس گھر کے نہہیں دن سے تلے [۱] مہیں
 یہ سب اسد اللہ کے بیشے مہیں پلے مہیں

ہر شہر مہیں پیشانی انور کا ہے شہرا
 مسجدے کا نشان بھی ہے تکلف ہے یہ دھرا
 گویا ورقِ ماہ یہ ہے مہر کا مہرا
 دیکھو سرِ خورشید یہ طالع ہوا زہرا

حضرت علی اکبر کی جنگ

ہل چل نہی کہ تلوار چلی فوج پہ سن سے
 ڈھالیں تو دھیں ہاتھوں میں ' سر اُڑ گئے تن سے
 طائر بھی ہوا ہو گئے سب ظلم کے بن سے
 آگے تھا ہرن شہر ہے ' اور شہر ہرن سے

فل تھا : یہ جوی مثل ید اللہ لڑے گا
 تر ہوگی زمیں خوں سے وہ دن آج پڑے گا [۱]
 تلوار تھی جراد کی ' یا قہر خدا تھی :
 سر تھا تو الگ تھا : جو کمر تھی تو جدا تھی
 بجلی جو ادھر تھی ' تو ادھر سہل فلما تھی :
 تلوار تھی یوں ' سب پہ جب آئی تو قضا تھی
 بے سر ہوئی وہ صف جو نظر چڑھ گئی اُس کی
 چاٹا جو لہو اور برہن پڑھ گئی اُس کی
 جس صف پہ چلی خون میں غلطاں کھا اُس کو
 مجتمع تھا جدھر ' دم میں پریشان کیا اُس کو
 جو آگے پڑھا غول سے ' بے جاں کھا اُس کو
 بخشی جسے جاں بلندۃ احسان کھا اُس کو

بے سر تھا ' ازل سے تھی خطا اصل میں جس کی
 مارا اُسے ' دیدار نہ تھا نسل میں جس کی
 کیا ہاتھ تھا ' کیا توغ تھی ' کیا ہمت عالی :
 دم بھر میں نمودار صفیں ہوتی تھیں خالی
 جب جھوم کے ڈھالوں کی گھٹا آتی تھی کالی
 بجلی سی چمک جاتی تھی شمشیر ہلالی
 ملتا تھا نشان دن میں صفوں کا نہ پروں کا
 تھا شور کہ مہلہ آج پرستہ ہے سروں کا

کھا حرب تھی قربان جگر گوشہ شہید
 نکلا جو کمان سے تو قلم ہو کے گرا تہر

یہ حسن کسی شب کی سحر نے نہیں پایا
 یہ روے دل افروز قمر نے نہیں پایا
 رنگ لب نازک گل تر نے نہیں پایا
 نور اس دُر دندان کا گہر نے نہیں پایا
 باہم تو ہیں ، دونوں کے مگر رنگ الگ ہیں
 وہ لعل کے تکرے ہیں یہ الماس کے نگ ہیں

امام حسین علیہ السلام کا سراپا

ایک شور تھا کہ آج زمہن ، آسمان ہے صحرائے کربلا نہیں ، دنیا کی جان ہے
 اُترا زمہن پہ چاند یہ خالق کی شان ہے رضوان نے دی صدا کہ خدا مہربان ہے
 پرتو ہے یہ رخ خلفِ بو تراب کا
 دیکھو ، الت گہا ہے ورقِ آفتاب کا
 نقشِ سم فرس کی فضا پر کرو خہال اختر کہیں ہے ، بدر کہیں ہے ، کہیں ہلال
 ہے درپہر کے بعد سدا شمس کو زوال یاں ہے وہی عروج ، زہ حشمت و جلال
 پروانہ آفتاب ہے چہرے کے نور پر
 گھوڑے پہ آپ ہیں کہ تجلی ہے طور پر
 اُٹھتے جبیں سے صفا آشکار ہے ابرو سے ماہِ رخ کی [۱] صفا آشکار ہے
 چشمِ گہو فشاں سے حوا آشکار ہے رخ سے جلال شہر خدا آشکار ہے
 دستم بھی چڑھ سکے گا نہ ملے پر دلہر کے
 چہرہ تو حور کا ہے یہ تہور ہیں شہر کے
 نور جہنم نے جاوۂ قدرت دکھا دیا چہرے نے حسن صبح صباحت دکھا دیا
 ابرو نے رنگ تیغ شجاعت دکھا دیا قامت نے سب کو طور قیامت دکھا دیا
 جلمک کو بوے کوچتے کھسو بسا گئی ،
 کھڑوں سے نکھت گل فردوس آ گئی
 ابرو نہیں ہے [۲] چشم مروت نہاد پر نوں لکم دیا ہے صانع قدرت نے صاد پر
 دید اسکی فرض عہن ہے خوش اعتقاد پر قرباں ہے صبح و شام بھاض و سواد پر
 سادہ نگہیں حدید [۳] کا دُر نجف میں ہے ؛
 پُتلی نہ جانہو ، دُر مکلوں صدف میں ہے

جب ہاتھ اُٹھا ' ہرچھوٹوں تھراٹا [۱] ہے گھوڑا
پتلی کے اشارے کو سمجھ جانتا ہے گھوڑا

حریف سے خطاب

اکبر نے صدا دی کہ تھہر سامنے آ کر
کہوں ملہ کو چھپاتا ہے سپر چہرے پہ لا کر
مردانہ دکھا وار حریفانہ وضا [۲] کر
دیکھ ' اپنے رسالے کے جوانوں سے چھا کر
نادان ہے تہیزِ حق و باطل نہیں رکھتا
تو ایسے [۳] تن و توش پہ کچھ دل نہیں رکھتا
یہ خوف ' کہوں جان نہ گھبرا کے نکل جائے
بودا ہے جو لڑنے کی جگہ پا کے نکل جائے
ایسا نہ ہو تلوار کوئی کھا لے نکل جائے
پلچے سے نہ شہدوں کے شکار آ کے نکل جائے
یکجہا صفت سائیڈ آہو نہیں تھکتا
سہماب تھہر جانا ہے پر تو نہیں تھکتا
تجھ سا نو جوان لشکر بدخو میں نہیں ہے
ہاں ' زور شجاعت قرے ہازو میں نہیں ہے
گھوڑا ہے یہ چالاک یہ قابو میں نہیں ہے
فوجوں میں ادھر یاں کوئی پہلو میں نہیں ہے
ہم ایک میں جانباز کہ فوجوں سے لڑے ہیں
کیا تجھ کو کہیں گے ' جو صفیں باندھے کھڑے ہیں
نہڑے کے ہلانے میں بھی تو زور کو ہارا
کہوں ؟ میں نے کہاں چھپن لی اور نیر تمہارا
اک ضرب پڑی [۴] تھی ' کہ ہوا گرز دو پیارا
لڑنے پہ تیرا ہے ترا او ستم آدا
آ تیغ جوانان خوہں اقبال کے اوپر [۵]
چہرے کو چھپاتا ہے جھلم ڈال کے ملہ پر

[۱] - سن (پھر آتا) - [۲] - ند (وتا) - [۳] - سن (اتنے) - [۴] - سن (تیر) - [۵] - سن (ملہ پر) -

آیا جو کہاں لے کے کہیں سے کوئی بے پیر
 گوشہ تھا ، نہ چلہ تھا ، نہ حلقہ تھا ، نہ زہ گہر
 جو وار تھا صفدر کا خدائی سے جدا تھا
 قبضے سے کہاں ، ہاتھ کلائی سے جدا تھا

کت کت کے ہر اک ضرب میں سر گرتے تھے سر پر
 ہرچھی پہ نہ پھل تھا ، نہ کوئی پھول سپر پر
 پیر جانی تھی گردن پہ کبھی ، گاہ جگر پر ،
 مرکز کی طرح تھی کبھی دشمن کی کمر پر
 نکلی جو کمر سے تو چلی خانہ زین پر
 زین سے تھی جو [۱] مرکب میں تو مرکب سے زمیں پر

بدلی کی طرح شام کی جب فوج گہر آئی
 پھر تھغ نے بجلی صفِ اعدا پہ کرائی
 دعویٰ تھا مگر بھول گئی [۲] ہرزہ در آئی
 چلاتی تھی [۳] بھاگو کہ وہ خونخوار پھر آئی
 ہر ہمار ھے موجود تو ہر ہمار نہیں ھے
 یہ مرگ مفاہیات ھے تلوار نہیں ھے

لڑنے جو بڑا بول کوئی بول کے آیا
 یہ شہر بھی شمشیر دو دم تول کے آیا
 شہباز اجل صود پہ پر کھول کے آیا
 اُڑتا ہوا سر بھیج میں اُس غول کے آیا
 حق جس کی طرف ھے وہ زہر دست رہا ھے
 سچ ھے کہ بڑے بول کا سر پست رہا ھے

سو سو کو ہر [۴] اک ضرب میں گتے نہیں دیکھا
 یوں غوط میں شہروں کو جھپٹتے نہیں دیکھا
 بڑھ کر کبھی چہرہ کو ہٹتے نہیں دیکھا
 گھوڑے کو کسی باگ پہ پھٹتے نہیں دیکھا

[۱]—ٹل (ہٹی) - [۲]—ن (بھول گئے) - [۳]—و (چلاتے تھے) - [۴]—ن (کا سر) -

لکھا ہے کمیں مہیں تھا کوئی ظالم ہے پھر
 برجہی جو لگی سہنے مہیں ، حالت ہوئی تغیر
 اللہ دے [۱] شجاعت ، کہ نہ ابرو پہ بل آیا
 پھل اُس نے جو کھینچا تو کلہنجا نکل آیا

تکڑے جو ہمے خوں کے ڈریڑوں مہیں جگر کے
 غصے ہو گئے سر گردن دھوار پہ دھو کے
 نزدیک سے پھر وار چلے تھغ و تیر کے
 سب پسلیاں کٹ کٹ گئیں ، تکڑے ہوئے سر کے
 تلواریں تھیں ، یا آپ تھے ، یا سر پہ خدا تھا
 جس ہاتھ سے لڑتے تھے وہ پہنچوں سے جدا تھا

حضرت علی اکبر خاک پر زخمی پڑے ہیں
 اتھارواں یہ سال ، یہ غربت ، یہ جوانی ؛
 یہ شان ، یہ اقبال ، یہ شوکت ، یہ جوانی ؛
 دیکھی تھی نہ اب تک یہ شجاعت ، یہ جوانی ؛
 یوں خاک ہوئی ، ہائے ، یہ صروت ، یہ جوانی ؛
 کس درجہ مشابہ تھے رسول عربی سے ؟
 گویا کہ حسوں آج بچھونا ہے نبی سے
 لے آئی جو بھگابی دل لاش پسر پر ،
 جھکڑے مہیں ، نظر پہلے بڑی زخم جگر پر
 اک تیر لگا قلب شہ جن و بشر پر
 سہلے یہ کبھی ہاتھ کو مارا ، کبھی سر پر
 اوپر کے دم اُس شہر کو بھرتے ہوئے دیکھا ،
 بابا نے جواں بھگے کو مرتے ہوئے دیکھا
 ہونٹوں پہ زباں ، رخ پہ عرق ، خاک پہ گھسو ،
 پتھرائی ہوئی آنکھ ، کتے [۲] تھغوں سے ابرو

حریف کا حملہ

یہ سن کے بڑے فہوظ و فہمب مہوں [۱] وہ پل آیا
 اکبر نے کہا آ کہ مقام اجل آیا ؛
 بارے شجر جرأت و ہمت مہوں پھل آیا ؛
 بس روک لے پردا کہ فرس ملہ کے بل آیا ؛
 یہ پھوللے پھلنے کی مگر فصل نہوں ھے
 گر پڑتا ھے جلدی تری کچھ اصل نہوں ھے
 تلواروں کھلچیں برجھیاں چمکیں علم اُتھے
 کھوڑوں کے [۲] نگ و پو مہوں برابر قدم اُتھے
 نظارے کو [۳] گردوں پہ ملائک بہم اُتھے
 گر گر کے ادھر خاک پہ شاہ اُسم اُتھے
 اکبر جو مقابل ہوئے اُس فال و مفل کے
 شہر قریب آ گئے بوہ۔ ابی دل کے

حضرت علی اکبر فوج میں گھستے ہیں

تسلیم کی اور اسب صبا دم کو آراکر پھر دُوب گھا فوج مہوں وہ شہر دلاور
 یاں بیٹھ گئے تھام کے دل سبط پیسبر واں شام کے بادل مہوں گھرا وہ مہ انور
 تھروں کی چو برجھار ہوئی چھن گیا سہلہ
 دوزن ہوئے اُلے کہ زہ بن گیا سہلہ
 ٹکڑے ہوئے تھنوں سے یہ ہمت کونہ ہارے مجروح نے اُسی نگر اُس فوج کے مارے
 صحرًا مہوں کبھی تھے کبھی دریائے کنارے پھر دیکھ گئے باپ کو پھر دن کوسد ہارے
 روئے [۴] نہ پدر قتل ہو لخت جگر ایسا !
 باپ ایسا ہو صابر تو جزی ہو پسر ایسا

حضرت علی اکبر زخمی ہوتے ہیں

لڑتے تھے کہ پھشانی انور یہ لکا تھر
 سب خوں سے بھری احمد مختار کی تصویر

تھی دشت کربلا کی زمیں رشک آسمان تھا دور دور تک شب مہتاب کا سماں
 چھلکے ہوئے ستاروں کا ذروں پہ تھا لگساں نہر فرات بیچ مہوں تھی مثل کھمکشاں
 سر سبز جو درخت تھا وہ فخل طور تھا
 صحرا کے ہر نہال کا سایہ بھی نور تھا
 وہ سر بلند خیمہ زنگاری امام جس مہوں خدا کے عرش کے تاروں کا تھا مقام
 کم تھا نہ اس کا خانہ کعبہ سے احترام قدسی طواف کرنے کو آتے تھے صبح و شام
 جلوہ تھا اُس مہوں بُرج امامت کے ماہ کا
 دریاں تھا جہر نہیل اُسی بارگاہ کا

صبح

تھے کوچکا جو منزل شب کا روان صبح ہوئے لگا اُفق سے ہویدا نشان صبح
 گردوں سے کوچ کرنے لگے اختران صبح ہر سو ہوئی بلند صدائے اذان صبح
 پڑھاں نظر سے روئے شب تار ہو گیا
 عالم تمام مطامع انوار ہو گیا
 خورشید نے جو رخ سے اُٹھایا [۱] نقاب شب در کھل گیا سحر کا، ہوا یلدا باب شب
 انجم کی فرد فرد سے لے کر حساب شب دہتر کشائے صبح نے، اُلگی کتاب شب
 گردوں پہ رنگ چہرہ مہتاب فق ہوا
 سلطان غرب و شرق کا نظم و نسق ہوا
 پہنچا جو مہر مہر سے فرمان ہزل شب گردوں پہ عاملان سحر کا ہوا نصب
 منشی آسمان مع دفتر ہوا طلب بس جابجا سے اُٹھ گئی انجم کی فوج سب [۲]
 نا صبح فرد فرد مہوں بھگانگی ہوئی
 برخاست گی، چراغوں کو [۳] پروانگی ہوئی
 یوں گلشن فلک سے ستارے ہوئے رواں چن لے چمن سے پھولونکو جس طرح باغبان
 آئی بہار مہوں گل مہتاب پر خزاں مزجھا کے گرد لگے [۴] ڈمر و شاخ کھمکشاں
 دکھلائے طور باد سحر نے سموم کے
 پڑمردہ ہو کے رہ گئے غلیچے نجوم کے

[۱] - ن (اٹھائی) - [۲] - ن (اب) - [۳] - نڈ (ٹی) - [۴] - ن (مرگئے) -

گردن تو کج اور حلق پہ اک تیر سہ پہلو
 چہرے پہ لہو گالوں پہ دھلکے ہوئے آنسو
 یہ زیر لب آواز کہ آفا نہیں آئے
 نزدیک اجل آگئی، بابا نہیں آئے
 اے درد جگر، تم کہ شہ بصر ویر آہیں
 اے جان، نہ گھبرا، شہ جن و بشر آہیں
 اے روح، توقف، شہ والا ادھر آہیں
 اے موت، تھہر جا، پدر آہیں پدر آہیں :
 ارمانِ دل زار بسر ہوش میں نکلے
 حسرت ہے کہ دمِ باپ کے آغوش میں نکلے
 چلائے شہ دیں، علی اکبر، پدر آیا
 اُٹھو مرے پیارے، مرے دلیر، پدر آیا
 تم دھونڈتے تھے، اے مہ انور، پدر آیا
 نا شاد پدر، بیکس و بے پدر پدر آیا
 کچھ دل کی کہو، بات کرو، ہوش میں آؤ
 صدقے پدر، آؤ، مرے آغوش میں آؤ
 ملہ کھولے ہو کھوں؟ تیر کو گردن سے نکالوں؟
 گر درد نہ ہو، ہاتھوں کو بازو سے سمجھاؤں
 گرتا ہے پہاڑ اس کو میں کس طرح سے قالوں
 مرتے آئے دیکھوں جسے آغوش میں پالوں
 بہ بہ کے لہو میں جگر آتا ہے تمہارا
 سہلے سے کلہجنا نظر آتا ہے تمہارا

منظر

وہ سرخی شفیق کی ادھر چرخ پر بہار، وہ بارور درخت، وہ صحرا، وہ سبز زار
 شبنم کے وہ گلوں پہ گہرے آیدار، پھولوں سے سب بھرا ہوا دامن کوہسار
 نائے کھلے ہوئے وہ گلوں کی شہم کے
 آتے تھے سرد سرد وہ چھونکے نسیم کے

ناروں کو اتارا فلک نیلوٹوری نے پرچم جو کھلا ' کھول دیے بال پری نے
عہسی نے پکارا کہ نثار اُس کے حشم کے
خورشید نے ملکہ رکھ دیا پہنچے پہ علم کے

تلوار

افلاک پہ چمکی کبھی ' سر پر کبھی اُئی کوندی کبھی چوٹن پہ ' سہر پر کبھی اُئی
کہ پوگئی سیلے پہ ' جگر پر کبھی اُئی تڑپی کبھی پہلو پہ ' کمر پر کبھی اُئی
طے کر کے پھری ' کون سا قصہ تھا فرس کا
باقی تھا جو کچھ کات ' وہ حصہ تھا فرس کا

بے بانو جدھر ہاتھ سے چلتی ہوئی اُئی ندی ادھر اک خوں کی اُبلتی ہوئی اُئی
دم بھر مہن وہ سوزنگ بدلتی ہوئی اُئی پی پی کے لہو لعل اُگلتی ہوئی اُئی
بھرا تھا بدن ' رنگ زمرہ سے ہوا تھا ' جوہر نہ [۱] کہو ' بھٹ جواہر سے بھرا تھا

زیبا تھا دم جنگ پیروہی اُسے کہنا معشوق بنی سرخ لباس اُس نے جو پہنا
اِس اوج پہ وہ سر کو جھکائے ہوئے رہنا جوہر تھکے پہلے تھی دلہن پہلوں کا گہنا
سہب چمن خلد کی بو باس تھی پہلے مہن
دھتی تھی وہ شہر سے دولہا کی بغل مہن

سور پتکے تو موج اُسکی روانی کو نہ پہنچے تلزم کا بھی دھارا ہو تو پانی کو نہ پہنچے
بجلی کی توپ شعلہ فشانے کو نہ پہنچے خلیج کی زباں تھڑ زبانی کو نہ پہنچے
دو زخ کے زبانوں سے بھی آنچ اُس کی ہری تھی
برچھی تھی ' کٹاری تھی ' سروہی تھی ' چھری تھی

موجود بھی ' مرفول مہن اور سب سے جدا بھی دم خم بھی ' لگاوت بھی ' صفائی بھی ' ادابی بھی
اک کھات پہ تھی آگ بھی ' پانی بھی ' ہوا بھی امرت بھی ' ہلاہل بھی ' مسوا بھی ' نقاب بھی
کہا صاحب جوہر تھی عجب ظرف تھا اُس کا
موقع تھا جہاں جس کا دھن صرف تھا اُس کا

چھلدا وہ مانتاب کا ، وہ صبح کا ظہور یاد خدا میں زمزمہ پوداڑی طور
وہ رونق اور وہ سرد ہوا ، وہ فضا ، وہ نور خلکی ہو جس سے چشم کو اور قلب کو سرور
انسان زمین پہ معبود ملک آسان پر :
جاری تھا ذکر قدرت حق ہر زبان پر

وہ صبح اور وہ چھانو ستاروں کی اور وہ نور دیکھے تو غش کرے ارنی کوے اوج طور
یہدا گلوں سے قدرت اللہ کا ظہور وہ جا بجایا درختوں پہ تسبیح خواں طور
گلشن خجبل تھ وادی مہلو اساس سے
چنگل تھا سب بسا ہوا پھولوں کی باس سے
تھلڈی ہوا میں سبز صبرا کی وہ لہک شرمائے جس سے اطلس زنگاری فلک
وہ جھومنا درختوں کا ، پھولوں کی وہ مہک ہر برگ گل پہ قطرہ شبنم کی وہ چھلک
ہیرے خجبل تھ گورہر پکتا نثار تھ
پتے بھی ہر شجر کے جواہر نگار تھ

وہ نور ، اور وہ دشت سہانا سا ، وہ فضا ، دراج و کیک و تہو و طاؤس کی صدا
وہ جوش گل ، وہ نالہ مرفان خوشنوا ، سردی جگر کو بخشتی تھی صبح کی ہوا
پھولوں کے سبز سبز شجر سرخ پوہں تھ
تھالے بھی نخل کے سہد گل فروش تھ
وہ دشت وہ نسیم کے چھونکے ، وہ سبز زار پھولوں پہ جا بجایا وہ گہر ہائے آبدار
آٹھلا وہ جھوم جھوم کے شاخوں کا بار بار بالائے نخل ایک جو بلبل تو گل ہزار
خواہاں تھ زہر [۱] گلشن زہرا جو آب کے
شبنم نے بہر دیے تھ کتورے گلاب کے
وہ قمریوں کا چار طرف سرو کے ہجوم کوکو کا شور نالہ حق سرے کی دھوم
سبتان رہنا کی صدا تھی علی العموم جاری تھ وہ جو ان کی عبادت کے تھ رسوم
کچھ گل فقط نہ کرتے تھ ربِ علا کی مدح [۲]
ہر خار کو بھی نوک زبان تھی خدا کی مدح [۳]

علم

کھولا جو پھرہرے کو علمدار جری نے لڑتے گل فردوس نسیم سحری نے

بھدم تھا ' جس پہ تیغ شہ نشہ لب گری
 کھلتا نہ تھا ' کب اُٹھ گئی اور سر پہ کب گری
 چل پھر سے اُس کی فوج ستم دردناک تھی
 گردوں پہ تھی کبھی ' تو کبھی زہر خاک تھی
 دو لاکھ پر وہ تیغ ہستی چلی گئی
 ناگن کی طرح فوج کو تسستی چلی گئی
 بجای سی دونوں باگوں پہ کستی چلی گئی
 دم مہں جلا کے خرمن ہستی چلی گئی
 زخموں کو اُس نے آتش سوزاں ہلکا دیا
 ہر نخل قد کو سرو چراغاں ہلکا دیا
 اُس تیغ کی برہں سے زبردست ' زیر تھے
 روہاہ بن کئے تھے وہ ' دل جن نے شور تھے
 گوشوں مہں چھپتے پھرتے تھے جتلے دلوں تھے
 تودے تھے سرکشوں کے ' کمانوں کے تھہر تھے
 غل تھا کہ اے نبی کے نواسے پلہا دے
 اے دو شہانہ روز کے پھاسے پلہا دے

آفت تھی ' قیامت تھی ' چھلوا تھی ' بلا تھی
 بجلی تھی ' کٹاری تھی ' قرولی تھی ' قضا تھی
 روکے کوئی کھا ' باز نہ تھی ' سیل فلّا تھی
 پشہ تھا وہ ظالم کہ لہو جس کی غذا تھی
 بجلی کو بھی توپا دیا تھا جلوہ گری نے
 تاب اُس کی نہ تھی ' مانگ نکالی تھی پوری نے
 کت جاتے تھے مذہ دیکھ کے سب تیغ زن ' اُس کا
 قامت میں کجی ' چال میں وہ بانگھن اُس کا
 تاریک زمیں اور وہ تاباں بدن اُس کا
 چلتی تھی سروں پر یہ نہا تھا چلن اُس کا
 ہے صاحب جوہر کا محل ' چرخ بروں پر
 رکھا ہے مہ نو نے کبھی پانو زمیں پر

تھروں پہ گئی برجھوں والوں کی طرف سے
 چاہنچھی کمانداروں پہ بہالوں کی طرف سے
 پھر آئی سواروں پہ رسالوں کی طرف سے
 ملے تھنوں کی جانب کھا ڈھالوں کی طرف سے
 بس سوکھا دفتر نظری نام و نسب کا
 لاکھوں تھے تو کیا ' دیکھ لیا جائزہ سب کا
 پہنچھی جو سپر تک تو کلائی کو نہ چھوڑا
 ہر ہاتھ میں ثابت کسی گھائی کو نہ چھوڑا
 شوخی کو شرارت کو لڑائی کو نہ چھوڑا
 تھڑی کو رکھائی کو صفائی کو نہ چھوڑا
 اعضاء بدن قطع ہوئے جاتے تھے سب کے
 قہنچھی سی زباں چلتی تھی ' فقرے تھے غضب کے
 چار آئلے والوں کو نہ تھا جاگ سے چار [۱]
 چو رنگ تھے سہلے تو کلہنچا تھا دو یارا
 کہتے تھے زرہ پوش ' نہیں جنگ کا یارا
 بچ جائیں تو جانوں کہ ملی جان دوبارا
 جوشن کو سدا تھا کہ حفاظت کا محفل ہے
 اس کی نہ خبر تھی کہ یہی دام اجل ہے

تو در کے قد راست سنانوں نے جھکائے
 دب دب کے سر عجز کمانوں نے جھکائے
 ہمت کے علم دن میں جوانوں نے جھکائے
 سر خاک پہ گر گر کے نشانوں نے جھکائے
 فل تھا کہ پلاہ اب ہمیں ' یا شاہ زماں ' دو
 پھیلانے تھے دامن کو پھرہرے کے امان دو

بجلی سی کوند کر صف اعدا پہ جب کری
 ہر سمت قل ہوا کہ وہ برق غضب کری

جل جل کلمے وہ شعلہ فشانے دکھا کئی
 کت کت کلمے وہ سوفا زبانی دکھا کئی
 لب صورت شکاف قلم ' بلند کر دیے
 فقروں نے ذوالفقار کے ' دم بلند کر دیے
 پہنچتی سم فرس پہ ' جو بالائے سر گری
 چمکی ادھر زمیں سے نکل کر ' ادھر گری
 ناری جلیے ادھر ' وہ جدھر کوند کر گری
 جس صفائے لگ [۱] چلی یہ ' وہ صفا خاک پر گری
 دکھلا کے اوج جاتی تھی یوں ہر سواد پر
 جاکل میں باز کرتا ہے جھسے شکار پر

سواری

میدان میں جب سواری شاہ امم چلی
 کس شان سے جلو میں سپاہ حشم چلی
 فتح و ظفر ادب سے قدم با قدم چلی
 بدلی ہوا ' نسیم ریاض ارم چلی
 سرتاج عرش تھا جو مکہیں ' صدر زمین پر
 قدسی پروں کو فرش کلمے تھے زمیں پر
 جوں جوں قدم بوجھاتا تھا سرور کا خوشخبرام
 ہلتے تھے نقش سم سے زمیں پر مہ تمام
 تھا ارض کربلائے معلیٰ کا یہ کلام
 گو فرش تھی یہ اب میں ہوئی عرش احتشام
 دروں کا اُس زمیں کے فلک پر دماغ تھا
 ہر سکہ پیرہ رشک دہ شب چراغ تھا
 بچھی تھی ایک نور کی چادر جو دور دور
 ہستیا تھا کہکشاں پہ ' یہ جادے [۲] کو تھا غرور

فل تھا یہ کسی تھغ میں چم خم نہیں دیکھا
 بجلی کی تڑپ کا بھی یہ عالم نہیں دیکھا
 لشکر کا لہو پی گلی یہ دم نہیں دیکھا
 ایسا کسی ناگن میں کبھی سم نہیں دیکھا
 پھر کہا ہے جو اللہ کا یہ قہر نہیں ہے
 اِس تھغ کے کٹے میں کہیں لہر نہیں ہے

جذاب امام کی تلوار

کہا کہا چمک دکھاتی تھی سر کات کات کے
 تلعتی تھی کہا تلوں سے زمیں پات پات کے
 پانی وہ خود پوے ہوئے تھی گھات گھات کے
 دم اور بڑھ گیا تھا لہو چات چات کے
 کہا جانیے ملا تھا مزا کہا زبان کو
 کہا جانی تھی ہما کی طرح استخوان کو
 ہر ہانہ میں آزا کے کلائی نکل گئی
 کوندی ' گری ' زمیں میں سمائی ' نکل گئی
 کاٹی زرہ ' دکھا کے صفائی نکل گئی
 مچھلی تھی اک کہ دام میں آئی نکل گئی
 چار آئلے کے پار تھی اِس آب و تاب سے
 جس طرح برق گر کے نکل جائے آب سے

وقت و غا عسا تھی کبھی ' اڑدھا کبھی ؛
 تلوار بن گئی وہ کبھی ' اور قضا کبھی
 بجلی کبھی تھی ' ابر کبھی اور ہوا کبھی
 بلعتی تھی نفی کفر کے خاطر بلا کبھی
 پھرتے تھے جب حسین پیادوں کو رول کر
 کہا لہتی تھی سروں کو دھن کھول کھول کر
 اللہ کے فضب کی نشانی دکھا گئی
 دریائے قہر حق کی روانی دکھا گئی

سُ م ایسے کہ قدموں پہ فلک ، بدر کو وارے
جب نعل کھلیں چار ہلال اور اُتارے
اُز جانے کو افلاک پہ طہار یہی تھے
کھلوں سے یہ ثابت ہے کہ سیار یہی تھے

ہلچل وہ اُن صفوں کی وہ گھوڑے کی جست و خیز
تھا ترک و تاز میں کھیں صر صر سے تند و تیز
صدقے گلدھے [۱] اہال پہ کیسویہ مشک بھڑ
گرد آوری مہوں ابر تو بجلی دم ستھڑ
ذریے قدم کے فہض سے سارے چمک گئے
جب پتلیاں اُٹھیں تو ستارے چمک گئے
جرات مہوں رشک شہر تو ہوکل مہوں پہلتن
پوئی [۲] کے وقت کبک دری جست مہوں ہرن
بجلی کسی جگہ ، نو کھیں ابر قطرہ زن
بن بن کے آنے جانے مہوں طاؤس کا چلن
سہلاب تھا زموں پہ فلک پر سحاب تھا
دریا پہ موج تھا ، تو ہوا پر عقاب تھا
آنکھیں وہ ، جن کو دیکھ کے حوران ھ غزال
گردن وہ ، جس کی شرم سے ھ سر نکوں ہلال
آہو کی جست ، شہر کی چتون ، پری کی چال
دل ، اُس کے دست و پاے حنائی سے پائمال
ھر نعل پا کا حسن یہ تھا اُس جلوس مہوں
آنکھ جس طرح سے ہو دست عروس مہوں
کووں اعتقاد مہوں حکما کے نہ آئے فرق
إشراقی ، اُس سے بھر تفکر مہوں سب مہوں غرق
راکب کو اُس کو غرب سے درزائے سوے شرق
اور آسمان سے ساتھ ہی چمکے نکل کے برق
بجلی کی واں چمک نہ فلک پر تمام ہو
یاں کب سے قرب میں فرس توڑ گم ہو

ہنستے تھے روئے مہر پہ ، ذروں مہں تھا یہ نور
 ہر سنگریزہ کہتا تھا ، مہں ہوں چراغ طور
 تھا یہ زمیں کا قول کہ عنبہ سرشت ہوں
 کہتی تھی گرد نکبت باغ بہشت ہوں
 وہ صبح اور وہ جاوے خورشید خاوری
 وہ صاف صاف آئینہ چرخ اختری
 وہ نور اور وہ شان جوانان حیدری
 راکب ہر اک ملک تھا تو مرکب ہر اک پری
 صدقے سواری شہ گردوں راکب کے
 گویا ستارے جاتے تھے ساتھ آفتاب کے

گھوڑے کی تعریف

گھوڑے تھے چھلارے : کہہی یاں تھے کہہی واں تھے
 پتلی مہں تو پھرتے تھے پر آنکھوں سے نہاں تھے
 یاں تھے جو سبکرو تو اُدھر گرم علماں تھے
 بجلی [۱] تھے کسی جا ، تو کہیں آب رواں تھے
 ہو سکتی تھی بجلی [۲] سے یہ سرعت نہ ہون سے
 چھونکے تھے ہوا کے کہ نکل جاتے تھے سن سے
 بے آب تھے دودن سے پہ جاندار تھے گھوڑے
 ہر مرتبہ اُڑجاتے پہ طہار تھے گھوڑے
 اُس پار کہہی تھے کہہی اُس پار تھے گھوڑے
 نقطہ تھی وہ سب فوج کہ پرکار تھے گھوڑے
 دس بوس جو مرجاتے تھے تاپوں سے کچل کے
 بڑھ سکتا نہ تھا اک بھی [۳] احاطے سے اجل کے

سرعت وہ سہندوں کی وہ چھل بل وہ طرارے
 چھپتے تھے پہاڑوں مہں ہرن شرم کے مارے

جب عالم تلہائی میں آتا ہے وطن یاد
 ہر کام پہ دل مثل جرس کرنا ہے فریاد
 اک آن غم و رنج سے فرصت نہیں ہوتی
 منزل پہ بھی آرام کی صورت نہیں ہوتی

ہمراہ سفر میں ہوں اگر حاسی و نامر
 منزل پہ کمر کھول کے سوتے ہیں مسافر
 جب ہو سفر خوف و پریشانی خاطر
 شب جاگتے ہی جاگتے ہو جانی ہے آخر
 ہر طرح مسافر کے لئے رنج و تعب ہے
 وہ جائے پس قافلہ تھک [۱] کر تو غصہ ہے

دکھ دیتے ہیں ایک ایک قدم پانوں کے چہالے
 منزل پہ پہنچنے کے بھی پڑ جاتے ہیں لالے
 ہانہوں سے اگر بھگت کے کانتے کو نکالے
 در ہے کہ نہ پڑ جائیں کہیں قافلے والے
 واماندوں [۲] کے لئے کو بھی آنا نہیں کوئی
 تھک کر بھی جو بیٹھے تو اٹھانا نہیں کوئی

ہر دم دل نازک پہ مسافر کے ہیں یہ [۳] غم
 تو رہتے ہیں اشکوں سے سدا دیدہ پر غم
 تھمتا ہی نہیں قافلہ اشک کوئی دم
 ہوتا ہے عجب صاحب اولاد کا عالم
 بابا کو تو فرزندوں سے چھٹلے کا الم ہے
 والد سے جدائی ہو تو بچوں پہ ستم ہے

بیٹے کا غم

یارب کوئی فرزند جدا ہو نہ پدر سے
 موت آئے نہ لے جائے یہ دولت کسی گھر سے

کل کی طرح اشارے میں سو بار پھیر لو
 بجلی ہے ، جس طرف دم پھکار پھیر لو
 گاؤں میں شکل گلابد دوار پھیر لو
 نقطے کے گرد صورت پرکار پھیر لو
 درزے پروے آب تو پتلی بھی تر نہ ہو
 آنکھوں میں یوں پھرے کہ مژہ کو خبر نہ ہو
 طاقس سا جدھر گھا دم کو چنور کہے
 دم میں پیرے سپاہ کے زیر و زبر کہے
 کچلے کبھی بدن ، کبھی پامال سر کہے
 کشتوں کو روند روند کے سُم خوں میں تر کہے
 مہدان میں تھا کسی کو نہ یارا ستہز کا
 عالم ہو ایک نعل میں تھا تیغ تہز کا
 زیبا ہے گر کہیں شعرا بادپا اُسے
 آہستہ گر چلے تو نہ پائے ہوا اُسے
 طائر جہاں کے جانتے ہیں سب ہما اُسے
 مہمیز و تازیانہ کی حاجت ہے کیا اُسے
 فتراک گر ہوا سے کبھی اک زری اُری
 یوں اُز گھا کہ سب نے یہ جانا پری اُری

سفر

ہوتے ہیں بہت رنج مسافر کو سفر میں
 راحت نہیں ملتی کوئی دم آتھ پھر میں
 سو شغل ہوں پر دھماں لگا دھتا ہے گھر میں
 پھرتی ہے سدا شکل عزیزوں کی ، نظر میں
 سداگم فرقت دل نازک پہ گراں ہے
 اندوہ غریب الوطلی کاہی جاں ہے
 گو راہ میں ہمراہ بھی ہو راحلہ و زاد
 جاتی نہیں افسردگی خاطر ناشاد

سرمایہ بھی ، نقد بھی ، مال بھی ہے ؛
 گھر بھی ، طاقت بھی ، لال [۱] بھی ہے
 دلہند ہو پہلو میں تو غم پاس نہیں ہے
 کچھ پاس نہیں ، گر یہ رقم پاس نہیں ہے
 ماں باپ کی آسائش و راحت ہے پسر سے
 تلخی میں بھی جھلے کی حلاوت ہے پسر سے
 خوں جسم میں ، آنکھوں میں بصارت ہے پسر سے
 ایام ضعیفی میں بھی طاقت ہے پسر سے
 آرام جگر ، قوت دل ، راحت جاں ہے
 پھر میں یہ طاقت ہے کہ فرزند جوان ہے
 وہ شے ہے ، خوشی در یہ کھڑی دھتی ہے جس سے
 وہ چھن ہے ، راحت کی گھڑی دھتی ہے جس سے
 وہ لال ہے امید بڑی دھتی ہے جس سے
 وہ دُر ہے یہ دُر ، جان لڑی دھتی ہے جس سے
 آرام جگر ، تاب و توان ساتھ ہے اس کے
 پھر تا ہے جدھر ، رشتہ جاں ساتھ ہے اس کے
 مالک سے بھرے گھر کے اُچڑ جانے کو پوچھو
 گھر والوں سے اس تفرقہ پڑ جانے کو پوچھو
 ماں باپ سے قسمت کے بگڑ جانے کو پوچھو
 یعقوب سے یوسف کے بچھڑ جانے کو پوچھو
 اللہ دکھائے نہ الم نور نظر کا
 بہ جاتا ہے آنکھوں سے لہو قلب و جگر کا

—م—

نمود و بود بشر کہا مصیط عالم میں
 ہوا کا جب کوئی چھونکا چلا ، حباب نہ تھا

کوئی انہیں کوئی آشنا نہیں رکھتے
 کسی کی آس ، بغھر از خدا نہیں رکھتے

اُٹ جانا ہے چہلے کا مزا مرگ پسر سے
 جانا نہیں یہ داغ مرے [۱] پر بھی جگر سے
 اس قم مہوں کرے صبر ' نہیں دل یہ کسی کا ؛
 ہاں ' سہٹ پیمبر کا ' حسین ابن علی کا

فرزند

دولت کوئی دنیا میں پسر سے نہیں بہتر
 راحت کوئی آرام جگر سے نہیں بہتر
 لذت کوئی پاکیزہ ثمر سے نہیں بہتر
 نکمت کوئی بوے گل تر سے نہیں بہتر
 صد مہوں میں علاج دل مجروح یہی ہے
 دیکھاں ہے یہی روح [۲] یہی روح یہی ہے
 ماں باپ کا دل فلجہ خلدان ہے اسی سے
 وہ گل ہے کہ گھر رشک گلستاں ہے اسی سے
 سب راحت و آرام کا سماں ہے اسی سے
 آبادی کا شانہ انسان ہے اسی سے
 کس طرح کہلے دل کہ جگر بلند نہیں ہے
 گھر قہر سے بدتر ہے جو فرزند نہیں ہے
 یہ وہ ہے عصا ' پھر جوان دھتا ہے جس سے
 یہ وہ ہے نگین ' نام و نشان دھتا ہے جس سے
 وہ شمع ہے ' پُر نور مکن دھتا ہے جس سے
 وہ دُر ہے ' قوی رشعہ جاں دھتا ہے جس سے
 کھوتے نہیں یہ مال ' زر و مال کے بدلے
 موتی بھی لٹا دیتے ہوں اس لال کے بدلے
 صولت یہی ' شوکت یہی ' اِجّال یہی ہے ؛
 ثروت یہی ' حشمت یہی ' اِقبال یہی ہے

وہا مدنتوں ساتھ جس روح کا وہ دم بہر میں نا آشنا ہوئی
 گریباں مرا چہوڑ ' اے حرص دنیا ' مرے ہاتھ میں دامن پلجتن ہے
 "انہس" اِس قدر شور بختی کا شکوا یہ دولت ہے نہوڑی کہ شہریں سکن ہے؟

آہی بخش دے اچھے کرم سے میرے عصاں کو
 کہ میں ہوں بلدۂ محتاج تو ہر شے پہ قادر ہے

دکھا دوں زمیں نجف کی بلندی ؟ بہت آپ کو آسماں کھینچتے ہیں
 زمیں کے تلے جن کو جانا ہے اِک دن وہ کیوں سر کو تا آسماں کھینچتے ہیں
 ہوا لگنے دیتی تھی جن کو نہ بلبل [۱] وہی گل جفائے خزاں کھینچتے ہیں

ایک عالم سے جو چھت جاؤں تو پروا نہیں کچھ
 پر نہ ہاتھوں سے مرے دامن سرور چھوٹے

دل سپر ہے گداۓ جلاب امہر کا خالی کبھی رہا نہیں کسے فقہر کا
 پیاسا ہوں ' ساقیہ ' مے کوثر کے خم کی خہر بہر دے خدا کی راہ میں کسے فقہر کا

گرد ہے اکسیر خاک کربلا کے سامنے
 زرد مٹی کی حقیقت کھا طلا کے سامنے
 جسم کو اک دن فنا کر دیں گے جھونکے آہ کے
 بات کھا ہے خاک اُڑا دینا ہوا کے سامنے
 فقر کی دولت کو کیا خالق نے بخشا ہے وقار
 ہاتھ پھیلانا ہے سلطان بھی گدا کے سامنے
 فصل پوری میں عوس دنیا کی ' توبہ کر "انہس"
 حشر میں کس منہ سے جائے گا خدا کے سامنے

جب گسستہ ہو گیا تار نفس ' کون سا اُلفت کا رشتہ رہ گیا ؟
 کاتب اعمال بھی رخصت ہوئے ہائے میں غربت میں تلہا رہ گیا
 قہر میں ہوگا حساب زندگی بعد مرنے کے بھی جھگڑا رہ گیا
 قہر میں رکھ کر نہ تہہرا کوئی دوست میں نئے گھر میں اکھلا رہ گیا

کسی کو کیا ہو، دلوں کی شکستگی کی خبر
 کہ تو تلے میں یہ شہسے صدا نہیں رکھتے
 قلعہ و گھر آبرو و دولت دیں
 ہم اپنے کھسٹے خالی میں کیا نہیں رکھتے
 ہمیں تو دیتا ہے رازق بغیر ملت خلق
 وہی سوال کریں جو خدا نہیں رکھتے
 فقیر دوست جو ہو ہم کو سرفراز کرے
 کچھ اور فرہں بجز بویا نہیں رکھتے
 فلک پہ شور تھا کتنا ہے خلق پاک رسول
 حسدیں تھغ کے نیچے گلا نہیں رکھتے

ایک در پہ بیٹھ، گر ہے توکل کریم پر
 تکرار کیا ہے زندگی مستعار میں
 اللہ کے فقیر کو پھیرا نہ چاہیے
 اے موت، بار بار تقاضا نہ چاہیے
 شب کو اکھلے گھر میں اندھیرا نہ چاہیے
 مرقد چراغ داغ سے روشن رہ "انوس"

مثال بدر جو حاصل ہوا کمال مجھے
 کمال شوق زیارت ہے اب کے سال مجھے
 کہتا گھٹا کے فلک نے کہا ہلال مجھے
 کریم، ہمد کی ظلمت سے اب نکال مجھے
 ترے سحاب کرم نے کہا نہال مجھے
 مہر کریم تو دیتا ہے بے سوال مجھے
 فلک نے کلد چہری سے کیا حلال مجھے
 پہوڑ پہوڑ کے سروں کا وہ نوم بسمل ہوں
 پہوڑ پہوڑ کی بات ہے اب کے سال مجھے

مرا راز دل آشکارا نہیں
 وہ گل ہوں، جدا سب سے جسکا رنگ
 وہ دریا ہوں جس کا کنارہ نہیں
 فرشتے کا جس جا گزارا نہیں
 جو آتش پہ تھہرے وہ پارا نہیں
 خیال چہرہ شہ وقت خواب رہتا ہے
 تمام شب مرے گھر آفتاب رہتا ہے

غبار وہ کربلا ہو گئی
 آہی، مجھے میں نہ تھی کچھ وفا
 مری خاک بھی کھمیا ہو گئی
 کہ دنیا ہی سب بے وفا ہو گئی
 آہی، یہ کھسی ہوا ہو گئی؟
 نہ گل میں مصہبت، نہ بلبل میں انس

ماں باپ سے بھی سوا ہے شفقت تیری افروز ہے ترے فطرب سے رحمت تیری
جنت انعام کر ، کہ دوزخ میں جلا ، وہ رحم ترا ہے ، یہ عدالت تیری

فرصت کوئی ساعت نہ زمانے سے ملی بھٹانے سے راحت ، نہ پگانے سے ملی
حقاً ، کہ پلک نواز ہے ذات تری جنت انہیں اشکوں کے بہانے سے ملی

مسکن نہیں عہد سے عبادت تیری خلیق و کرم و عطا ہے عادت تیری
صعبرا صعبرا ہوں گو کہ عصہاں مہرے دریا دریا مگر ہے رحمت تیری

جب خانمہ شاہ خواہ اقبال کیا اعدا نے شہیدوں کا عجب حال کیا
کھوڑے دروازے چاند سے سہلوں پر سہزے کی طرح گلوں کو پامال کیا

کھر میں ڈھونڈو ، نہ انجمن میں ڈھونڈو
مرقد میں نہ ڈھونڈو ، نہ گنن میں ڈھونڈو
گلزار نجف میں مدح خواں ہوگا ” انہس“
بلبل کو جو ڈھونڈو ، تو چمن میں ڈھونڈو

ہر دم ہے خیال عذر خواہی دل میں
مطلق نہیں کچھ خوف آلہی دل میں
نافیہ کی طرح خطا میں گزری سب عمر
بالوں پہ سپیدی ہے سہاگی دل میں

وہ موج حوادث کا تھپہڑا نہ رہا کشتی وہ ہوئی فوق ، وہ بھڑا نہ رہا
سارے جھگڑے تھزندگانی کے ” انہس“ جب ہم نہ وہ تو کچھ بکھڑا نہ رہا

بابل یہاں آئے خوش بھائی سہکے انداز فغاں مجھ سے ’ فغانی‘ سہکے
رونا مری آنکھوں سے کرے حاصل ، ابر دریا مرے اشکوں سے روانی سہکے

آنکھ ابر بہاری سے لڑی دھتی ہے اشکوں کی ردا ملے پہ پڑی دھتی ہے
دونوں آنکھیں ہیں مہری ساون بہادری یاں سارے برس ایک جھڑی دھتی ہے

مضمون ” انہس“ کا نہ چہرہ اُترا اُترا بھی تو کچھ بگڑے نقشا اُترا
نقاش نے سو طرح کی خفت کھنچی تصویر نہ کھنچ سکی ، تو چہرہ اُترا

کہونگر نہ لہٹ کے تجھ سے سوؤں ' اے قہر ' _____
مہوں نے بھی تو جان دے کے پایا ہے تجھ

زیبا ہے وقار بادشاہی کے لئے _____
جرأت واجب ہے کیج کلاہی کے لئے
لازم ہے کہ ہو اہل سخن تیز زباں _____
تلوار ضرور ہے سپاہی کے لئے

جو شہ ہے فدا ' اُسے بقا سمجھا ہے _____
جو چہز ہے کم اُسے سوا سمجھا ہے
ہے بعد جہاں مہوں عمر ' مانند حباب _____
فافل ' اِس زندگی کو کہا سمجھا ہے
ایک ایک قدم لغزش مستانہ ہے _____
گِلزار بہشت اپنا مہمانہ ہے
سر مست مہوں حب ساقی کوثر سے _____
آنکھوں شیشے مہوں قلب پوسانہ ہے

فافل تجھ کہوں خواہش دنیاے دنی ہے
پیوند زمیں ہر کوئی درویش و غلی ہے
جو قائم و سنجاب پہنچے تھے ہمیشہ
سوتے مہوں تہ خاک ' گلے مہوں کفلی ہے

گلشن مہوں پھروں کہ سیر صحترا دیکھوں
یا معدن و کوہ و دشت و دریا دیکھوں
ہر جا تری قدرت کے مہوں لاکھوں جلوے
چہراں ہوں کہ دو آنکھوں سے کہا دیکھوں

آفویہ لحد مہوں جب کہ سونا ہوگا _____
جز خاک ' فہ تکبہ نہ بچھونا ہوگا
تلہائی مہوں آئے [۱] کون ہووے گا "انہس" _____
ہم ہووےں گے اور قہر کا کونا ہوگا

دیار کا کھٹکا حشم و جاہ مہوں ہے _____
جاگو ' جاگو ' کہ خوف اِسی راہ مہوں ہے
اُتھو ' اُتھو ' یہ خواب غفلت کب تک _____
دیکھو ' دیکھو ' اجل کیلنگاہ مہوں ہے

ظلمت کدہ ہلد مہوں کہا ملتا ہے _____
نے دوست کوئی نہ آشنا ملتا ہے
صحرائے نجف کو چل کے دیکھو تو "انہس" _____
دُر ایک طرف ' نور خدا ملتا ہے

چھتتا ہے مقام ' کوچ کرتا ہوں مہوں _____
فرقت ' اے زندگی ' کہ موتا ہوں مہوں
اللہ سے لو لگی ہوئی ہے مہری _____
اوپر کے دم اِس واسطہ بھرتا ہوں مہوں

دل بت سے اُٹھا کے حق پرستی کو بچے ' بے تنہا "انہیس" قطع ہستی کو بچے ؛
آخر ایک دن یہ پانوں ہوں گے بے کار ؛ بہتو ہے یہی کہ پھس دستی کو بچے

راحت میں بسر ہوئی کہ ایذا گذری ؛ کیونکر تاریک گھر میں تنہا گذری ؟
اے کلچ لحد کے سونے والو ' افسوس ؛ کس سے پوچھیں کہ تم یہ کیا کھا گذری ؟

اب زیر قدم لحد کا باب آپہنچا ؛ ہشمار ہو جلد وقت خواب آپہنچا
پہری کی بھی دوپہر تھلی ' آہ ' "انہیس" ہنگام غروب آفتاب آپہنچا

کھوں زر کی ہوس میں دو بدر پھرتا ہے ؟
جانا ہے تجھے کہاں ' کدھر پھرتا ہے ؟
اللہ رے ' پیہری میں ہوس دنیا کی !
تھک جاتے ہوں جب پانوں ' تو سر پھرتا ہے

داغ غم شہ ' سینے میں گل بوٹے ہیں ' کویا کیا گھر بڑھ بھا لوٹے ہیں
مجلس میں دیا سے جو کہہ دوتے ہوں "انہیس" اشک آنکھ بھی موتی ہوں مگر جھوٹے ہیں

جب اُٹھ گیا سایۂ جوانی سر سے ' پھر ہوئی جدا نہ سرگردانی سر سے
کچھ ہو گانہ ہانہ پانوں مارے سے "انہیس" جس وقت گذر جائے گا پانی سر سے

دل سے طاقت بدن سے کس جاتا ہے ' آنا نہیں پھر کر جو نفس جانا ہے
جب سالگرہ ہوئی تو عقدہ یہ کھلا ' یاں اور گرہ سے ایک برس جانا ہے

دنیا جسے کہتے ہیں بلا خانہ ہے ' پامال ہے جو عاقل و فرزانہ ہے
ما بین زمین و آسمان یوں ہم ہیں : جھسے دو آسہا میں ایک دانہ ہے

اندیشہ باطل ، سحر و شام کہا عقوبت کا نہ ہاے کچھ سر انجام کہا
نا کام چلے جہاں سے ، افسوس ” انہس “ کس کام کو یاں آئے تھے کہا کام کہا

طفلی دیکھی ، شباب دیکھا ہم نے ہستی کو حباب آب دیکھا ہم نے
جب آنکھ ہوئی بلند تو عقدہ یہ کھلا جو کچھ دیکھا سو خواب دیکھا ہم نے

اک روز جہاں سے جان کھونا ہوگا گھر چھوڑ کے زیر خاک سونا ہوگا
بالہں سے سروکار نہ بستر سے غرض ایذا کسی لکھو میں بچھونا ہوگا

جب دار فلما سے جان کھونا ہوگا
مہمت یہ عجب طرح کا رونا ہوگا
عادت نہیں ملے تھانپ کے سونے کی ” انہس “
کہا گزرے گی جب قہر میں سونا ہوگا

دل سے دنیا کے ولولے جاتے ہوں اک آن میں طوبی کے تلے جاتے ہوں
ہے راہ بہشت کتنی ہموار ” انہس “ بلند آنکھیں کبھی لوگ چلے جاتے ہوں
دولت کا ہمیں خیال آتا ہی نہیں یہ نشئل فقر ہے کہ جانا ہی نہیں
لہریز ہیں یہ دولت استغنا سے آنکھوں میں کوئی قلی سماتا ہی نہیں

اب ہند کی ظلمت سے نکلتا ہوں میں
توفیق رفیق ہو ، تو چلتا ہوں میں
تقدیر نے بوڑیاں تو کاٹی ہوں ” انہس “
کہوں رک گئے یانوں ، ہاتھ ملتا ہوں میں

اب گرم خبر موت کے آنے کی ہے ؛ ناداں ، تجھے فکر آب دانے کی ہے
ہستی کے لئے ضرور اک دن ہے فلما آنا تھرا دلیل جانے کی ہے
کہوں زر کی ہوس میں آبرو دیتا ہے ؟ ناداں ، یہ کسے فریب تو دیتا ہے ؟
لازم نہیں اچھے ملنے سے تعریف ” انہس “ خالص جو ہے مشک ، آپ بو دیتا ہے
گلشن میں صبا کو جستجو تیری ہے ؛ بلبل کی زباں یہ گفتگو تیری ہے ؛
ہر رنگ میں جلوہ ہے تری قدرت کا : جس پھول کو سونگھتا ہوں بو تیری ہے

اُس رخس کو عباس اُڑاتے ہوئے آئے کوس ”لن الملک“ بجاتے ہوئے آئے
 اک تیغ نیکہ سب پہ لگاتے ہوئے آئے تکبیر سے سوتوں کو جگاتے ہوئے آئے
 کھیلچے ہوئے قصے سے ہر ابرو کی کماں کو
 اور تانے ہوئے پلکوں کی ایک ایک سلاں کو

شیر خوار اور تشنہ لب علی اصغر پر تیر ستم

پھر ہونٹ بیوزبان کے چومے جھکا کے سر رو کر کہا جو کہنا تھا سو کہ چکا پندر
 باقی رہی نہ بات کوئی، اے مرے پسر سوکھی زبان تم بھی دکھا دو نکال کر
 پھری زبان لبوں پہ جو اُس نور مہن نے
 تھرا کے آسمان کو دیکھا حسہن نے
 مولا فلک کو دیکھ رہ تھے کہ ناگہاں لی حرملہ نے شانے سے دو تانک کی کماں
 ترکش سے چن کے کھیلچ لہا تیر جانستہاں جوڑا کماں میں تانک کے حلقوم بوزبان
 چہلتے ہی، حلق بچے کا چھیدا جو تیر نے
 گھبرا کے غش سے کھول دیں آنکھوں صغور نے
 کیا سین تھا تھر کھاتے ہی بچہ بلک گیا سوکھے گلے میں خون بھرا دم اٹک گیا
 تیرا جو شہ کے ہاتھوں پہ قامت سرک گیا توہی گری زمہن پہ ملکا دملک گیا
 نلہی کلاٹھوں میں تشلیج سے بل پڑے
 ہچکی سی آئی ملہ سے انکو تھے نکل پڑے
 ملہ آسمان سے شہ نے پھرایا کہ کیا ہوا دیکھا کہ یار حلق سے تھر جفا ہوا
 بچہ توپ رہا ہے لہو میں بھرا ہوا یوں دیکھتا ہے جیسے کہ کوئی قرا ہوا
 آنکھوں پھرائے دیتے ہیں توور بدلتے ہیں
 آگے تو دردہ اُگلتے تھے اب خوں اُگلتے ہیں
 شہ نے [۱] کہا العیون سے کیوں اے جوان و پھر ہم نے کہا تھا کیا، جو بھلا تم نے مارا تھر؟
 تم سے کلام کرتا تھا میں یا کہ یہ صغور اس بوزبان نے تو نہ مانگا تھا آب و شہر
 ثابت علی کے پوتے کی تم نے خطا نہ کی
 تم نے ہمارے لانے کی بھی کچھ حیا نہ کی
 ہنس ہنس کے سب حسہن کے رونے پڑتے، شہ نے وہ آہ کی کہ دو عالم اُلٹ گئے

دبیر

سلامت علی ”دبیر“ مرزا غلام حسنین کے بیٹے ۱۲۱۸ھ (۱۸۰۳ع) میں دہلی میں پیدا ہوئے۔ چھ سات برس کی عمر میں اپنے والد کے ساتھ لکھنؤ آئے، وہیں ہوش سلجھایا اور جہد علما سے فضل و کمال حاصل کیا۔ شعر و سخن کے ساتھ خلقی مناسبت تھی۔ مہر ”ضمیر“ مشہور مرثیہ گو کے فہض صحبت سے مرثیہ گوئی کی طرف مائل ہوئے اور مجالس عزا میں شریک ہونے لگے۔

مشہور ہے کہ مرزا صاحب نے پندرہ برس کی عمر سے مرثیہ گوئی شروع کی پچاس ساٹھ سال کی عمر تک تین ہزار مرثیے لکھے، رباعیاں اس کے علاوہ جو اکثر لاجواب ہیں۔ ۱۲۹۲ھ (۱۸۷۵ع) میں لکھنؤ ہی میں وفات پائی [۱]۔

مراثی

میدان جنگ میں جناب امام کی آمد

کس شہر کی آمد ہے کہ دن کانپ رہا ہے دن ایک طرف چرخ کہن کانپ رہا ہے
دستم کا بدن زیر کنن کانپ رہا ہے ہر قصر سلاطین زمن کانپ رہا ہے
شمشہر ہکف دیکھ کے حیدر کے پسر کو
جہریل لرزتے ہیں سمیٹے ہوئے پر کو

ہیبت سے ہیں نہ قلعة اداک کے در بند جلاہ فلک بھی نظر آتا ہے نظر بلند
وا ہے کمر چرخ سے جوڑا کا کمر بلند سیارے ہیں قضاں صفت طائر پر بلند
رنگت یہ عطارد سے قلم چھوٹ پڑا ہے
خورشید کے پلجے سے علم چھوٹ پڑا ہے

[۱]—خطائے جاوید، ص ۱۵۸ ج ۳، تاریخ ادب ارض، ص ۳۱۷ و ۳۲۵ ج ۱۔

آغاز کیا آیہ ”والشمس“ سحر نے اور رو کے کہا فاطمہ خستہ جگر نے
پوشیدہ ہوا روے قمر چرخ بریں مہیں
چھپ جائے گا اب چاند ہمارا بھی زمیں مہیں

وہ روشنی صبح وہ چمکے وہ بھابھیں وہ سرد ہوا اور وہ سحر قتل کا سامان
ہر مرتبہ چلبھیں مہیں بہم برگ درختان اور شاخوں پہ وہ زمزمہ مرغ خروش الحان
خورشید کی وہ جلوہ گری آج و سما سے
اور خیموں مہیں بچھلا وہ چراغوں کا ہوا سے
سورج کی کرن سبزہ صحرایہ جو آئی وہ فرس زسرد بھی ہوا فرس طلائی
مرفان سحر مستعد نغمہ سرائی اور فاطمہ دیتی تھی محمد کی دھائی
آہ دل زہرا جو شرر بار ہوئی تھی
خورشید کے خرمن مہیں بھی اک آگ لگی تھی
وہ پرتو مہر اور وہ ذروں کا چمکنا اور ساغر خورشید سے وہ نور جھلکنا
اور خیمے میں شہر کے بھلوں کا بلکنا سر خاک پہ ہر مرتبہ رو رو کے پتکنا
عالم تھا یہ اُس دم حرم خاک نشین پر
تسبیح گئے تورت کے جس طرح زمیں پر

پیدا شعاع مہر کی مقراض جب ہوئی یلہاں دراڑی پر طؤس شب ہوئی
اور قطع زلف لہلی زہرہ لقب ہوئی مجنوں صفت قباے سحر چاک سب ہوئی
فکر رفو تھی چرخ ہلر مند کے لئے
دن چار تکرے ہو گیا پیوند کے لئے
یوسف فراق چاہ مہیں ناکہ نہاں ہوا یعنی غروب ماہ تجلی نشان ہوا
یونس دھان ماہی شب سے عیاں ہوا یعنی طلوع نور مشرق ستان ہوا
فدعون شب سے معرکہ آرا تھا آفتاب
دن تھا کلام اور یَدِ بیضا تھا آفتاب
تھی صبح یا فلک کا وہ جیب دریدہ تھا یا چہرہ مسیم کا رنگ پریدہ تھا
خورشید تھا کہ عرش کا آشک چکھدہ تھا یا فاطمہ کا نالہ گردوں رسدہ تھا
کہیے نہ مہر صبح نے سینے پہ داغ تھا
امید اہل بہت کا گھر بے چراغ تھا

اصغر ہمک ہمک کے پندر سے لہٹ گئے نفہ سے ہانہ پانو لرز کر سمت گئے
 ہونٹوں پہ شہ کے ہونٹ ملے اور گذر گئے
 اک بسوسہ مسکرا کے لیا اور مر گئے

غم حین

داغ غم جسون مہوں کیا آب و تاب ہے اس داغ کے چراغ کا گل آفتاب ہے
 یہ گل وہ گل ہے جس کا کہ بلب لٹو اب ہے یہ داغ لالہ چمن برکتو اب ہے
 پروانے ہوں جنان کے ' لحد کے چراغ ہوں
 نام خدا نجات کی مہریں یہ داغ ہیں
 دل ہے کلہم اور ید بوضا یہ داغ ہے قلدیل جس کی طور ہے یہ وہ چراغ ہے
 اندیشہ خزاں سے اسے انفراف ہے ہر وقت اشک سے تر و تازہ دماغ ہے
 اس اشک سے ہزار طرح کا فتوح ہے
 عصیان کے غرق کرنے کو طوفان نوح ہے

اسیروں کا قافلہ

عزیزو ' حادثہ نو فلک دکھانا ہے حرم کا قافلہ پیہس یزید جانا ہے
 گلے بندھے ہوں بدن سب کا تھر تھراتا ہے نہ سانس لہتے ہوں قہدی نہ بوجانا ہے
 جو گرتے ہیں تو ستمگار نہڑے مارتے ہوں
 وہ رو کے حودر کرار کو پکارتے ہوں
 کہوں اسہروں کا سب حال یہ مجال ہے کیا یہ ہاتھ بلند ہلے کامضموں ہے دست بستہ کہو
 ہوا ہے بھڑیوں سے بس کہ قلغلہ برپا بتول خلد مہوں حودر کو دے وہی صدا
 بلند کرتی ہے فریاد یا علی ' زینب
 چلو یزید کے دربار مہوں چلی زینب
 ادھر اسہروں کے بچوں کی فالہ و زاری ادھر لعینوں کو زاری سے اُن کی بیزاری
 جناب عابد بیکس اسہر و آزادی اور اہل ظلم کے آزار مہوں دل آزادی
 سکینہ کہتی تھی اماں ' چلا نہیں جانا
 اشارہ کرتی تھی ماں ' کچھ کہا نہیں جانا

صبح

جب ختم کیا سورہ "واللہل" قمر نے اور سہجہ انجم کو لگا ہاتھ سے دھرنے

عشق

آغا سہد حسین مرزا "عشق" لکھنؤ کے دہلے والے 'مہر انیس اور مرزا دبیر کے 'معصر' مرزا انس کے بھتیے اور شائرد تھے [۱] - مرثیے کے علاوہ اور اصناف سخن میں بھی مشق بہم پہنچائی تھی - ان کے مرثیوں کا مجموعہ دو جلدوں میں چھپا ہے 'جو سلام' نوحے اور مرثیے کے تمام اصناف پر حاوی ہے - ۱۲۸۳ھ تک زندہ تھے [۲] -

یہ اپنے مرثیوں میں اکثر صنائع و بدائع کو اس خوبی سے بیان کرتے ہیں کہ آرد کا رنگ معلوم نہیں ہوتا - معمولی بات 'غیر معمولی اہتمام سے بیان کرتے ہیں' جا بجا الفاظ کی کثرت ہوجاتی ہے لیکن معمولی نقص پیدا ہونے نہیں دیتے -

سرائی

مناجات

سلبہال' دونوں جہاں کے سلبہالئے والے معہوں ' کوہ مصہبت کے ٹالنے والے ' مفر' نجات کی صورت نکالنے والے ' نباہ دے مجھے' اے مہرے پالنے والے رحیم کون ہے تجھ سا بھلا جہاں جاؤں بقا مجھے ترے در کے سوا کہاں جاؤں

تعلی

ایک قطرہ دُر خوش آب ہوا داغ بے نور مانتاب ہوا
ذکر مہر ابو تراب ہوا عشق ذرے سے آفتاب ہوا
کہا اندھیرا فروغ نور بنا؟
تھا شہرارہ' چراغ طہور بنا

[۱]—تاریخ ادب اردو ص ۳۲۲ ج ۱ و سخن شعرا ص ۳۲۲ -

[۲]—کلیات منیر ص ۲۰۱ مطبوعہ ۱۲۹۶ھ میں ۲۱ صفر ۱۲۸۳ھ کا ایک خط ان کے نام کا

تہنوں پہ پڑی تہن، تو تہنیں ہوئیں آری؛ آری ہوئیں تہنیں، تو ستمگر ہوئے عاری؛
 ہاری ہوئے ناری، تو ہوا سر انہوں بہاری؛ بہاری ہوا جب سر، تو سبک ہو گئے ناری
 ناری تھے سبک اس سے کہ سر دور تھا تن سے
 سر دور تھا تن سے کہ قدم اُٹھتے تھے، دن سے
 آئی جدھر اک سہل بہانی ہوئی آئی سب کو کلمہ اپنا پڑھانی ہوئی آئی
 واہ سقر و نار بتاتی ہوئی آئی ہر فرد کے چہرے کو مٹاتی ہوئی آئی
 تھیں ہر چہروں کی شمعیں چوروشن، وہ پتہ ہادیں؛
 دیوار میں صفوں کی جو کھڑی تھیں، وہ گرا دیں
 مغفر سے اُتر چھوٹ گئی، گردن میں در آئی گردن سے بڑھی، سینگ دشن میں در آئی
 سینگ کو کھا چاک، تو جوشن میں در آئی جوشن سے چونکلی، تو دوسن میں در آئی
 دوسن سے چو اُتری، تو نہ پھر دن میں کہیں تھی
 واں تھی، نہ جہاں گاؤں زمیں تھی، نہ زمیں تھی

وہابیات

جو روضے میں باریاب ہو جاتا ہے وہ آج میں لاجواب ہو جاتا ہے
 جلتا ہے جو شب کو قبر حیدر پہ چراغ وہ صبح کو آفتاب ہو جاتا ہے
 خورشید سر شام کہاں جاتا ہے روشن ہے ”دبیر“ پر جہاں جاتا ہے
 مغرب ہی کی جانب کو ہے قبر حیدر یہ شمع جلانے کو وہاں جاتا ہے
 مہزاں سخن سنج میں قلتا ہوں میں فکر گہر نظم میں گھلتا ہوں میں
 دل دھتا ہے بلند قفل ابجد کی طرح جب حرف شناس ہو تو کھلتا ہوں میں
 گلشن میں صبا کو جستجو تھری ہے بلبل کی زباں پہ گفتگو تھری ہے
 ہر رنگ میں جلوہ ہے تری قدرت کا جس پھول کو سونگھتا ہوں بو تیری ہے
 ہم شان نجف نہ عرش انور تھرا مہزاں میں یہ بہاری وہ سبک تر تھرا
 اس لیے میں تھا نجف اور اس لیے میں عرش پہنچا وہ فلک پر یہ زمیں پر تھرا
 کہتی ہے زمیں ہمسر عرش آج میں ہوں زیر قدم صاحب معراج میں ہوں
 آواز، لب فرہ سے ہوتی ہے بلند طرہ یہ ہے سب پہ عرش کا تاج میں ہوں

خوہں چشم جہاں جان سے پیارا انہیں سمجھیں
 سب اہل نظر آنکھ کا تارا انہیں سمجھیں
 واٹوں کو نہ میں بند وہ کالی میں یہ آنکھیں
 آسرا خدا دیکھنے والی میں یہ آنکھیں

حضرت علی اکبر میدان جنگ میں جاتے ہیں
 مہتاب سے اختر کی جدائی کا بھیاں ہے شہید سے اکبر کی جدائی کا بھیاں ہے
 ہم شکل یومبر کی جدائی کا بھیاں ہے رشک مہ انور کی جدائی کا بھیاں ہے
 پر گرد ہیں کھڑے پسر شہر خدا کے
 اُٹھے ہیں لحد اصغر ناناں کی ہلا کے

دشمن اشتعال دیتے ہیں
 کچھ آج زور فائق خوں دیکھا ہے برق حسام اے مہ انور دکھا ہے
 ناحق ہے عجز تیغ کے جوہر دکھا ہے سبط نبی شجاعت حیدر دکھا ہے
 جاتا رہا ہے پیاس سے کیا آج تن کا زور ؟
 ہاتوں میں آپ کے نہیں خوں شکن کا زور

تلوار کی تعریف
 شاخ حسام خوں سے کل پوہ ہو گئی سر کٹ گئے تو فوج سبکدوش ہو گئی
 پتلی ہر ایک آنکھ میں بے ہوش ہو گئی ہر شے کے دہ سے یاد فراموش ہو گئی
 فرق عدو سے موت کا تلوا محصال تھا
 جس پر گری وہ تیغ : سنبھلنا محصال تھا

شکرِ خدا کہ عجز میں ہم لا جواب ہیں
 پیرویِ غرور کی ہیں ادب کا شباب ہیں
 ذروں کا جس کو پاس ہے وہ آفتاب ہیں
 کہوں کر نہ ہوں، [۱] کہ خاک در ہو تراب ہیں
 تکلف سر اُٹھا کے نہ دیں خار کی طرح
 دشمن سے چھک کے ملتے ہیں تلوار کی طرح

—————
 منتخب

اقبال شہ دیں کے ہما ہیں علی اکبر
 چشم گل زہرا کی صفا ہیں علی اکبر
 سب کہتے ہیں کہا جانوے کہا ہیں علی اکبر
 ہے مجھ کو یقین نورِ خدا ہیں علی اکبر
 رخسار ہیں یا مصحف پر نور کہلے ہیں
 دادا کی طرح عقدہ کشائی کو تلے ہیں

—————
 حضرت علی اکبر کا سراپا

ذکرِ شبِ معراج ہے افسانۂ گیسو زیبا ہے اگر چاند بے شانۂ گیسو
 سلیل ہے پریشان کہ ہے دیوانۂ گیسو ہے کاشکشاں جلوۂ کاشانۂ گیسو
 ہوں وصفِ بہاں، یہ کسے ارمان نہیں ہیں؟
 اعمالِ شبِ قدر کے آسان نہیں ہیں

—————
 کہا چشم ہے، یارا نہیں شہروں کو نظر کا
 اس آنکھ سے پردہ نہیں کچھ نیکی و شر کا
 ہے نورِ عجبِ مردِ مک چشمِ قمر کا
 آغوش میں آہو کے ستارا ہے سحر کا
 ملہ زرد ہے فرگس نگران ہے جو تعب میں
 دیکھا ہے ان آنکھوں کو مگر عینِ غضب میں

—————
 شبِ کور، بصارت کا سہارا انہیں سمجھیں
 مڑگل سے جفاکشی صفا آرا انہیں سمجھیں

خوبیاں جہاں سب ہیں یہ سب میں ہے یہی خوب
 پہارا ہے یہی روح کو ' جان کو یہی مطلوب
 مطبوع یہی طبع کو ' دل کو یہی مرغوب
 معشوق کا معشوق ہے ' محبوب کا محبوب
 دیکھا ہی کرے چشم کو منظور یہی ہے
 فلماں یہی ' رضواں بھی یہی ' حور یہی ہے
 یارب تری قدرت کی یہ سب جلوہ گری ہے
 یہ خشک زراعت تری رحمت سے ہری ہے
 تھوڑے ہی کرم سے مرے گلشن میں تری ہے
 درویش کی جھولی گل جلت سے بھری ہے
 اب فکر ہے کھا ہدیہ مقبول لہے ہوں
 رنگیں چمن نظم کے میں پھول لہے ہوں

تعلی

اے دستِ قلم ' شانہ کش زلف سخن ہو اے تختہ قرطاس سخن [۱] رشک چمن ہو
 اے شمعِ زباں ' روشنی بزمِ حسن ہو اے شاہدِ مضبوط ' نئے جلوے سے دلہن ہو
 ایک حور سراپا متعلیٰ [۲] نظر آئے
 ہر نقطے کے گھونگت میں تجلی نظر آئے
 کلکونٹہ رخسار سخن ہے ترا جلوہ لفظوں [۳] کے لیے حسنِ حسن ہے ترا جلوہ
 تزئینِ ہر وسان چمن ہے ترا جلوہ دل جس پہ ہے شیدا وہ دلہن ہے ترا جلوہ
 خالی جو تجلی سے ہو وہ طور نہیں ہے
 بے نور ہے مجلس جو ترا نور نہیں ہے
 اے جانِ جہاں ' جان ہے تو نظم کے تن کی رونق ہے ترے نور [۴] سے اس تازہ چمن کی
 تجھ سے چمک قافہ سنبھانِ زمن کی گر تو نہ ہو پوچھے نہ کوئی بات سخن کی
 کچھ نظم کی توقیر نہ ہو ' شان نہ ہووے
 پھر خاک ہے قالب میں اگر جان نہ ہووے

[۱]—نڈ (سہن) - [۲]—نڈ (متعلی) - [۳]—نڈ (نفاور) - [۴]—نڈ (رنگ) -

مونس

مہر محمد نواب ”مونس“ مہر انیس کے چھوٹے بھائی اپنے والد مہر مستحسن ”خلیق“ سے مشورۃً سخن کرتے تھے [۱] - مرثیہ گوئی میں کسی طرح اپنے بچے بھائی سے کم نہ تھے - لیکن گوشہ نشینی کی وجہ سے مشہور نہ ہوئے - نہایت زود گو تھے - ان کے یہاں ہر مہولے کی چھبوسویں کو مجلس ہوتی تھی جس میں یہ ہمیشہ نیا مرثیہ پڑھا کرتے تھے - پڑھنے کا طرز نہایت موثر اور دلکش ہوتا تھا - مرثیہ کے علاوہ ابتدا میں غزلیں بھی کہی ہیں - ان کے مرثیوں کا مجموعہ چھپ چکا ہے - ۱۲۹۲ھ میں وفات پائی [۲] -

مشکل زمہنوں میں مصاورے اور زبان کو قائم رکھتے ہیں - سلاموں میں استعارے اور کلمات کی جھلک معلوم ہوتی ہے - انیس اور دبیر کے بعد ان کے مرثیوں میں سب سے زیادہ آمد کی شان اور آورد کی بلندی ہے -

مرثی
تعلیٰ اور حمد

گلگونہ کس عارض لہلہے سخن ہوں
ہر ہفت [۳] کن چہرۂ سلمے سخن ہوں
دلدادۂ حسن رخ زیبائے سخن ہوں
خود شہفتۂ زلف چاہیائے سخن ہوں
کہا حسن دکھائے ہوں بتان چکل [۴] اپنا
یہ ہے وہ سلاسل کہ مسلسل ہے دل اپنا

[۱] — سخن شہزادہ س ۳۷۳ - [۲] — تاریخ ادب اردو، ص ۳۲۲ - ج ۱ -
[۳] — ہر ہفت، کلام از زیب و زینت عموماً و آرائش و زینت ہفتگانہ خصوصاً (یعنی ساتوں سنگار) - بہار عجم -
[۴] — چکل بکرتین، ت، شہرستان بہ ترکستان منسوب ہداں جا را چکلی گویند و بشقوب روئی و تیر افغانی معروف اند - قرہنگ اندراج -

سورۃ حمد ثلثاخوان ہے زمے عزت و جاہ
 سورۃ قدر ہے توکل۔۔۔ سے اِن کی آگاہ
 اِن کی تکبیر کا کیا ذکر ہے ' سبحان اللہ !
 ہے تشہد بھی شہدوں کی عبادت پہ گواہ
 بھڑکتے تھے تو قعود اِن سے شرف پاتا تھا
 اِن کی تعظیم قہام اُتہ کے بجائے لانا تھا
 عین الطاف سے کرتا تھا نظر رب جلیل
 کبھی تکبیر تھی اب پر تو کبھی تھی تہلیل
 روم و اِطباق و مد و ہمّس و [صفہر] و ترتیل
 وہ قراءت کہ عرب میں بھی نہ تھا جس کا عدیل
 مرہی پر سلتے تھے قدسی شہدا کی باتیں
 تھے تو بلندے پہ زبان پر تھیں خدا کی باتیں

حضرت علی اکبر کی مفتیت

اے طبع رسا، صہقل شمشیر زبان ہو اے پرچہ الماس سخن، نور فشاں ہو
 اے شمع ذکا، روشنی بزم جہاں ہو اے مو قلم، آئینہ کاغذ پہ رواں ہو
 ہر چشم کو صورت نظر آجائے نبی کی
 تصویر کھلچے صاف رسول عربی کی
 اقلیم ثریا سے قلم باج ستاں ہے کاغذ ورق مہ کی طرح نور فشاں ہے
 نقطوں پہ درخشندہ ستاروں کا گماں ہے حسن رخ ہمیشہ، محمد کا دھماں ہے
 وہ حُسن کہ خورشید بھی پروانہ ہے جس کا
 مصباح دل انجمِ افسانہ ہے جس کا
 وہ نور جو ہے نورِ مہیں خاق مہیں مشہور اُس نور کے ہمیشہ کی تصویر ہے منظور
 ہاں برق [ا] قلم، قطع، ہوشاخ شجرِ طرد اور حل ہو سیاہی کے عوض مودِ مک حور
 [شلمجرف] کی جا سرخی روئے شفق آئے
 خورشید درخشاں کا طلائی ورق آئے

منہجیت

تاج سر سٹخن ہے شہ ”الفتی“ کی مدح حسن رخ کلام ہے مشکل کشا کی مدح
لفظوں کا نور ہے اسد کبریا کی مدح خلعت ہے حرف حرف کا دست خدا کی مدح
جب تک زباں رہے صفت مرتضیٰ کرے
بلبل وہ خوہی نوا ہے جو گل کی ڈنڈا کرے

شہر خدا ، شجاع عرب ، شاہ نامدار نور مہیں ، چراغ ہدایت ، فلک وقار
نواض خلق ، صاحب مصمم ذوالفقار آدم کا فخر ، حضرت عیسیٰ کا افتخار ؛
مولد ملا تو خالق اکبر کا گھر ملا
کعبہ صدف بنا تو علی سا گھر ملا

مناقب اہل بیت

ایک سے ایک جو خوشرو تو حسین ایک سے ایک
سبزہ رنگوں میں زیادہ نمکوں ایک سے ایک
رشتہ واحد پہ فزوں دُر تمہیں ایک سے ایک
صورت دانہ تسبیح قریں ایک سے ایک
شور تھا لاکھ پہ بھاری ہوں جو ہوں سو ایسے
اللہ اللہ امام ایسا ہو پھر ایسے
صادق القول ہوں ، نامی ہوں ، نمودار ہوں سب
سجدے تینوں سے کریں گے یہ وہ جرار ہوں سب
حافظ و متقی و زاعد و ابوار ہوں سب
کہوں نہ ہو مصحف ناطق کے نمکخوار ہوں سب
آیتوں دین کی ہوں [شیفۃ] باری ہوں
کہ دے قرآن بتکلف خود کہ یہی قاری ہوں
وہ ہیانوں مدنی اور وہ قبائیں عربی
مکی و فاطمی و ہاشمی و مطلبی
صاف پھشانہاں ، آنہاں عالی نسب
رشتہ داران علی [شیفۃ] آل نبی
ایک تسبیح امامت کے یہ سب دانے ہوں
اُسی تسبیح کے شمس ہوں جو بھگانے ہوں

صبح کا نور

آمد وہ آفتاب کی اور وہ سحر کا نور کافور ہو گیا تھا فلک پر قمر کا نور
 بلا تھا نخل طور سے ہر اک شجر کا نور بھیلے تھا چاندنی کی طرح دشت و درکنور
 غلچوں کے ملتے جو صبح نے شبنم سے دھوئے تھے
 گویا گلوں نے عطر میں چہرے ڈبوئے تھے
 بستان کربلا کی وہ بو باس وہ بہار مرقان خوشنوا کا چہکنا وہ بار بار
 کوکو وہ قدمیوں کی ' وہ طاؤس کی پکار نالے وہ بلبلوں کے ' وہ سبز ' وہ لالہ زار
 کرتے تھے وجد کبک دری کوہسار میں '
 بن میں غزال متحد تھے ' ضیغم کچھار میں

حجرت عون و معبد کی جنگ

بڑھ بڑھ کے پھر نئیہوں نے جلدی جمائی صف
 جھک جھک کے پھر اُتے علم فوج ہر طرف
 پھر ' تا فلک پہنچ گئی آواز کوس و دف
 پھر فوج میں دھڑے اسد بھشت نجف
 جاتے تھے نعرے مار کے یوں ہر سوار پر
 جس طرح شہر بھوک میں جھپٹے شکار پر
 ہلچل پروں میں پڑ گئی ' غازی جدھر گئے
 آگے صفوں صفوں پہ ' نساوی جدھر گئے
 کھیلا شکار ' شہر حجازی جدھر گئے
 اک تازہ آفت آگئی ' تازی جدھر گئے
 کھونکر آریں نہ ہوئی ' جب ایسی ہوا چلے ؟
 ہرنوں کا زور شہر کے بچوں سے کیا چلے ؟

وہ نہمچے چمک کے برابر جدھر چلے دو کر دیا اُسے اسے چورنگ کر چلے
 ہر میں لباس سرخ پہن کر نکھر چلے کاتانکا کھل گیا کہ یہ جس فرق پر چلے
 دامن بچا سپر کا ' نہ چھوڑا کمد کو
 مقرض بن کے قطع کوا بدمد بدمد کو

حضرت زینب کے پسر

زینب کے بھی کھا صاحب اقبال پسر تھے
دونوں چمکستار و فسا کے گل تر تھے
کھلمے کو وہ لوگے تھے یہ شہروں کے جگر تھے
ذروں میں تھے خورشید ستاروں میں قمر تھے
عاشق تھے دل و جاں سے امام ازل کے
دو گدوہر زایاب تھے رشتے میں علی کے

لاکھوں برس ایسے گل رعنا نہیں ملتے
موقی تو بہت پر در یکتا نہیں ملتے
اسباب حشم خلق میں کھا کھا نہیں ملتے
لیکن یہ جوہر کبھی اصلا نہیں ملتے
اب تک نہ کسی صاحب اقبال نے پائے
یہ لال فقط فاطمہ کے لال نے پائے

حضرت علی کا نام

نام خدا، یہ نام ہے شمع سرائے دل
سیلہ ہے کوہ طور تجلی ضوئے دل
دکھ میں دوائے دل ہے، مرض میں شفاء دل
دل اس کے واسطے، یہ علم ہے برائے دل
کرسی کے ساتھ رفعت مرہیں بریں بھی ہو
نام علی ہو نقص تو اعلیٰ نکیں بھی ہو
ہر درد و غم میں باعث آرام ہے یہ نام
کہف الانام دافع آلام ہے یہ نام
ورد ملائکہ سحر و شام ہے یہ نام
اعظم جو سب میں نام ہے وہ نام ہے یہ نام
تائید اس کی یوسف کنعان سے پوچھتے
اس نام کے اثر کو سلیمان سے پوچھتے

وہ تیغ کیا بڑھی اجل جاں ستاں بڑھی یا اڑدے کے ملے سے نکل کر زباں بڑھی
یا برق 'ابر سے طرف آسماں بڑھی یا سہل 'کوہ سے سوے آب رواں بڑھی

دیکھی نہ جائے امن جو دارالفساد میں

خالی کی شہسوار نے کاٹھی جہاد میں

یوں مہمان سے ہوئی وہ جلالت قریں جدا فل تھا کہ دست برگے ہے آستیں جدا
نن سے جدا ہے 'روح' مکمل سے مکمل جدا معلم جدا ہیں آیۃ فتح مہمیں جدا

رخ سے وہ ہٹ گئی جو ردا نہی رکی ہوئی

گویا دلہن [مختافے] سے نکلی چھکی ہوئی

جب سرکشوں نے تیر لگاٹے جلاب کو تو لا چری نے ہاتھ میں تیغ خوہں آب کو
لے دم 'یہ تاب کب تھی پھر اُس برق تاب کو دیکھا اُٹھا کے سر 'سپر آفتاب کو

چمکی تو "یا حفظ" ملک کہ کے ہٹ گئے

[تھرا] کے سب خطوط شعاعی سمت گئے

بھڑکی اک آگ 'برق جدھر آئی تیغ کی ٹھنڈا تھا 'جس نے گرم ہوا کھائی نوع کی
وہ صف دری 'وہ معرکہ آرائی تیغ کی تھی دوسرے اجل بھی تماشائی تیغ کی

قبضے میں موت نہی 'تو اجل اختیار میں

بسمل بھی لوٹتے تھے مزا تھا یہ وار میں

جوہر میں 'کس میں 'کات میں 'وہ لاجواب تھی ناری جو آگ تھی تو وہ شمشیر آب تھی
بوغلے کی برچھوں کو نہ تھروں کی تاب تھی بے چلہ ہو کمان کھانی خراب تھی

افتادہ تھیں زمیں پہ سناہوں نئی ہوئی

خلنجر دکھا رہے تھے زبانوں کئی ہوئی

کٹ جائے جب زباں 'تو بھر کام کھا کرے؟ زمین سے نہ کھلیج سکے 'تو تیر کام کھا کرے؟

بتجلی کرے 'تو مغفر سر کام کیا کرے؟ تیغ اجل کرے 'تو سپر کام کھا کرے؟

موت آئے جب 'تو قلعۂ آہن بھی ہلچل ہے

چار اُٹھتے بھی ہلچل ہے 'چوہن بھی ہلچل ہے

اُس غزل میں موت آئی جدھر آگئی تلوار دھالوں کی کھٹا فرق سے سر کاٹلی تلوار
اک دم میں لہو خاک پہ برسائی گئی تلوار جو آگیا قبضے میں اُپے کھاگلی تلوار

نہی ختم صفائی زبیس اُس آفت جاں پر

دیکھانے نہ ملے پر کہیں خون تھا نہ زباں پر

حضرت عباس کی جنگ

یہ سن کے بڑھے سب قدر انداز قصا را نعرہ اسد حیدر گرار نے مارا
 صحراے پر آشوب لگا گونجائے سارا معلوم ہوا شہر ' نہستہاں میں ڈکارا
 اڑتے ہوئے مرفان چمن دشت سے بھاگے
 صحرا سے چلے شہر ' ہرن دشت سے بھاگے
 بڑھتے تھے کہ دھوار کی گردن پہ لکا تھو آتا تھا ادھر سن سے کہ توسن پہ لکا تھو
 کھینچا اُسے گردن سے کہ جوشن پہ لکا تھو پھر تاب کہاں ' شہر کے جب تن پہ لکا تھو
 اُس خشم میں پُر خشم فزون ہو گئیں آنکھوں
 کلگوں [۱] کا لہو دیکھ کے خوں ہو گئیں آنکھوں

تلوار

کس گر و فر سے فوج پہ توغ جری چلی ہر سر پہ کھیلتی ہوئی گویا پری چلی
 خشکی پہ کم [۲] چلی کبھی سوئے تری چلی خالی کیا صفوں کو لہو میں بھری چلی
 ظاہر تھی بانکپن سے کجی ' رنگ لال تھا
 تلوار تھی کہ خوں کی شفق میں ہلال تھا
 زیر سپر آزا کے کلائی نکل گئی چار آنکھوں میں برق سی آئی ' نکل گئی
 فولاد کو دکھا کے صفائی نکل گئی دل میں لگی ' جگر میں سمائی ' نکل گئی
 جوشن میں بھی تھما نہ کھا اُس حسام سے
 یوں نکلی جھوسے مٹھی بے آب دام سے

دکھلا دھی تھی توغ دو دم تیز دستیاں چشمک یہ تھی کہ اور کرو بت پوستیاں
 کافر شواب کفر کی بھولے تھے مستہاں غل تھا اُچڑ گئیں کئی شہروں کی بستیاں
 کہتے تھے اب نہ پانوں ' نہ قابو میں ہاتھ
 جائیں کدھر ' فلیم اجل ساتھ ساتھ
 بجلی سی کوندتی کبھی بھالوں پہ چل گئی بیتھی ادھر تو برجھوں والوں پہ چل گئی
 تیغوں پہ کھچلی کبھی دھالوں پہ چل گئی کھ پیدلوں پہ ' گاہ رسالوں پہ چل گئی
 نائوک تھی جو فائغ بدر و حلیوں کی
 لشکر میں شور تھا کہ دھائی حسیوں کی

دُخشاں رکاب ہے ' کہ ہلال فلک مقام ؟
 اتنا ہو تیز گام ' فرس کا نہیں یہ کام
 اُزنا سمت سمت کے قریب ہے شہر کا
 آہو کے ہاتھ پانوں میں ' سینہ ہے شہر کا
 بکھرے ہوئے ایال کے گردن پہ بال تھے
 طاؤس سرنگوں تھے پریشاں غزال تھے
 ابتر تھے مروجے ' تو پرے پائمال تھے
 خوں کی حلنا سے [زانوؤں] کے پانوں لال تھے
 تھکتا نہ تھا کہ اُس کے قدم راہ حق میں تھے
 نعلوں کی صو سے چار مہ نو شفق میں تھے
 جب دور دور ہست گلمے نزدیک سے عدد
 تھہرا فرس کو روک کے دم بھر وہ نہکتو
 ناکہ وہاں سے ایک سلحشور جنگ جو
 آیا اُزا کے رخس کو اکبر کے دو برو
 نعرہ کیا کہ دستم و سہراب و سام ہوں
 میں یکے تاز فوج دلبران شام ہوں

جنگ امام کا سر

اُس وقت پہنچی زینب فاشاد [و] نوحہ گر
 جب شہر ہاتھ میں لئے جاتا تھا شہ کا سر
 بکھری ہوئی تھیں چہرے پہ زلزلوں ادھر ادھر
 رخسارے دونوں زرد تھے اور ہونٹ خوں سے تر
 نہی خاک ' سجدہ گاہ جبیں پر حسوں کی
 آنکھوں کھلی تھیں فاطمہ کے نور عین کی
 قرآن پڑھ رہا تھا سر ابن بو تراب
 اور دیکھ میں کھلا ہوا تھا جا بجا خضاب
 روشن تھا بعد قتل بھی رخ مثل آفتاب
 ظاہر تھا یہ لبوں سے کہ پایا نہیں ہے آب
 آنکھوں سے یہ وہاں تھا کہ دنیا سے جاتے ہیں
 ثابت یہ خشک ہونٹوں سے تھا مسکراتے ہیں

حضرت عباس کا گھوڑا

ستھراؤ کر رہی تھی ادھر تھخ سر بلند
 پامال کر رہا تھا ادھر فوج کو سمند
 گردن تھی اُس کی آہوے خورشید سے دو چاند
 سرعت سے جست و خیز سے دم تھا پری کا بلند
 جس پر رکھا جھپٹ کے قدم وہ فلما ہوا
 پھرتا تھا فوج شام میں بجلی بنا ہوا
 چمکے جو نعل، تھخ چکاروں پہ چل گئی
 شوخی سب آہوان ختن کی نکل گئی
 چاروں سموں سے اُس کے صبا ملے جو مل گئی
 سمٹا لہا بدن کو، کنوتی بدل گئی
 اُڑنے کا تھاٹ دیکھ کے پریاں اُچھل پڑیں
 سہلے سے ملے ملا دیا آنکھوں نکل پڑیں
 دو مل کے جلمکجو اُگر آئے پے نبرد
 جولاں کیا دلہر نے رخس جہاں نور
 بس ایک ضرب تھخ میں دونوں تھے گرد برد
 بسمل ادھر یہ گرم زمیں پڑ ادھر وہ سرد
 گوتے ہی بلند جامہ مستی کے کھل گئے
 معلیٰ ہر اک پہ تھخ دو دستی کے کھل گئے

گھوڑا

غل تھا پری خصال ہے شہدیز برق [تاز]
 تہمتا نہیں زمین پہ، اللہ رے، تیرا ناز
 طاؤس دشت میں، تو ہوا پر ہے شاہباز
 بجلی کی ہے، تڑپ وہ جواہر نگار ساز
 نرری کا حسن چہرے سے پھدا ہے گرد مہوں
 نصرت الصلک کو باندھے ہے رستم نبرد مہوں
 پاکہر ہے آہلی، کہ ہے جوشن مہوں جسم سام؟
 لہائی کے دونوں ہاتھ ہیں گردن مہوں، [پا] لگام

نفیس

مہر خورشید علی ”نفیس“ مہر انہس کے بڑے بیگے نہایت ملکہسور مزاج، قابل اور خوش گو شاعر تھے۔ اردو میں اپنے والد مہر انہس ہی سے اصلاح لہتے اور فارسی میں مفتی مہر محمد عباس سے مشورہ سخت کرتے تھے۔ ان کے مرثیوں کا مجموعہ شائع ہو چکا ہے۔ ۸۵ برس کی عمر میں ۱۳۱۸ھ (۱۹۰۱ء) میں وفات پائی [۱]

صفائی اور روانی میں مہر انہس کا رنگ جھلکتا ہے، زبان نہایت صاف اور سلیس ہے۔ بیان میں شگفتگی اور تسلسل پایا جاتا ہے۔ قوافی بہت لاتے ہیں، مہر انہس کی طرح ان کے مرثیوں میں بھی بلند والا شعر انثر بہت بلند ہوتا ہے۔

مرثی

نعلی

اُس مے کا میں نوشلہ ہوں مستی نہیں جس میں
حاصل وہ بلندی ہے کہ پستی نہیں جس میں
آوارہ صحرا ہوں گوستی [۲] نہیں جس میں
اُس ملک میں بستا ہوں کہ پستی نہیں جس میں
رنجش نہیں، کھٹکا نہیں، آزار نہیں ہے
اُس باغ کا بلبل ہوں جہاں خار نہیں ہے

۱۔ تاریخ ادب اردو ص ۳۴۲ ج ۱ - و تذکرہ آب بقا - [۲]۔ نل (کا ہستی)۔

سلامی جس کو سمجھتے ہیں سب کہ ماہ یہ ہے
 نشان کفہں رسول فلک پلاد یہ ہے
 کیا ہے چرخ چہارم نے تاج سر جس کو
 سر بلال کی اُتری ہوئی کلا یہ ہے
 جہاں میں زیست ہے اک دم کی روشنی "مونس"
 ہمیشہ اس کو سمجھ شمع صبح گاہ یہ ہے

گرچہ مانند کماں گوشہ نشین ہے "مونس"
 تھر آہوں کے نکل جاتے ہیں اکثر باہر
 فیض خاموشی نے ذکر خواہں بھائی کر دیا
 ہر سر مو کو زبان بے زبانی کر دیا
 آئی بالوں میں سفیدی ' تاکجا یہ غفلتوں ؟
 "مونس" اب چونکو کہ آ پہنچا ہے سر پر آفتاب

رباعیات

مولا، یہ ظہور سب ہے دم کا تھرے
 خورشید نشان ہے قدم کا تھرے
 کہتے ہیں بہشتی جسے نہر کوثر
 اک قطرہ ہے دریائے کرم کا تھرے
 ضائع نہ کر آغوش کے پالے دل کو ؛
 کرتے ہیں پسند درد والے دل کو
 منظور اگر ہے زان راہ حقہی
 سب چھوڑ کے دنیا سے اُٹھا لے دل کو
 تھر غم شہ سہلے میں پیوستہ ہے
 ایک ایک کا دل درد سے وابستہ ہے
 ہر رنگ کے گل جمع ہیں اس محفل میں
 یہ بزم ہزا خلد کا گلدستہ ہے
 خاموشی میں یاں لذت گویائی ہے
 آنکھیں جو ہیں بلند عین بھلائی ہے
 نے دوست کا جھگڑا ہے نہ دشمن کا فساد
 مرقد یہ عجب گوشہ تلہائی ہے

دخسار مہیں یا جاوے اُٹھلے قدرت ؟ آنکھیں مہیں کہ سرچشمہٴ اعجاز و کرامت [۱]؟
طالب نہیں پانی کے ، چھا مہر دھن ھے
یہ آنکھ مہیں پتلی نہیں گھونگھٹ مہیں دلہن ھے

آمادگی جنگ

بچوں نے آستھلیوں کو اُلٹا جلال مہیں کچھ دثورت سہاہ نہ لائے خیال مہیں
یوں نیمچے علم کہے جنگ و جدال مہیں دو بجلیاں چمک گئیں دشت قتال مہیں
آمادہٴ نبرد جو دونوں چری ہوئے
شکلیں بلما بنا کے فرس بھی پری ہوئے
دو بجلیاں سی کوند گلیں دن مہیں دو طرف قل "الاماں" کا تھا صف دشمن مہیں دو طرف
سر اوتھے تھے خاک پہ اُس بن مہیں دو طرف تھا طرفہ تفرقہ سر و گردن مہیں دو طرف
پیدل مہیں تھی نہ جان ، نہ دم تھا سوار مہیں
ساری صف آدھی ہو گئی پہلے ہی وار مہیں

تلوار

یہ تیغ وہ ھے سہل فلّا کہتے مہیں جس کو
یہ برق وہ ھے قہر خدا کہتے مہیں جس کو
بازہ اِس کی وہ آفت ھے بلا کہتے مہیں جس کو
ملہ اِس کا وہ ملہ ھے کہ قضا کہتے مہیں جس کو
جانی نہیں بے جاں لہے جب آئی ھے سر پر
ثابت نہیں ہوتا کہ یہ کب آئی ھے سر پر

میدان جنگ

طلہ پور کا وہ شور ، وہ شہر [۲] کا خروہں قرنے کی وہ صدا کہ پھٹیں پردہ ہائے گویں
فوغائے زیر و بم سے لہو مارنا تھا جوش نے کی صفہر تھی کہ آڑے طائروں کے ہوش
سارے درندے شور دھل سے دھل گئے
صحرا کے شہر چوڑے کے جنگل نکل گئے
پہم پکارتے تھے نقیبان زشت خو نام آوروں کو دھتی ھے عزت کی آرزو

[۱]—نڈ (اعجاز کرامت) -

[۲]—شیپور و شیپور ، پر وزن پے نور : نائے دوسی ، برہان قاطع و فرہنگ اندراج -

سرگشتہ و شہدائے مصیبت ہوں ازل سے
 آلودہٴ رنج و غم و مصیبت ہوں ازل سے
 باشندہٴ ویرانہٴ زحمت ہوں ازل سے
 مستغرقِ دریائے مصیبت ہوں ازل سے
 سب رو دیے [۱] جب میں نے دم سرد بہرا ہے
 رگ رگ میں مری 'خوں کے ہوض درد بہرا ہے
 وحشتِ دل عالم کو ہے ویرانے سے مہرے
 آرامِ زمیں کو نہیں گھیرانے سے مہرے
 راحت سے کوئی دل نہیں غم کھانے سے مہرے
 بلبل کا جگر چاک ہے چلانے سے مہرے
 وہ کون سے گل ہوں جو پربہشاں نہیں ہوتے
 غلچے بھی مجھے دیکھ کے خلدیاں نہیں ہوتے

جز

دن سے اسد اللہ کے پھارے نہیں ہتکتے
 گردوں پہ جو ثابت ہیں ستارے نہیں ہتکتے
 اشار کو بے جان سے مارے نہیں ہتکتے
 بوہتے ہیں تو پھر پانو ہمارے نہیں ہتکتے
 دے جن کو خدا آج وہ جھکتے ہیں کسی سے ؟
 بہتے ہوئے دریا کہوں رکتے ہیں کسی سے ؟

حضرت ملی اکبر کا سراپا

بخشی ہے خدا نے انہیں توقیرِ محمدؐ کیسو ہیں کہ ہے زلفِ گہرِ محمدؐ؟
 چہرہ ہے کہ اٹھلے تصویرِ محمدؐ باتوں میں ہے رنگِ بلیِ تقریرِ محمدؐ
 شوکتِ وہی [پوششِ وہی] دستور [۲] وہی ہے
 نقشہٴ وہی 'اندازِ وہی' نورِ وہی ہے
 کہسورے دل آویز ہیں یا سہلِ جلت؟ یہ روئے دل افروز ہے یا صبحِ صباحت؟

نور

مہر وزیر [۱] ”نور“ مہر بادشاہ لکھنوی کپتان فیروزپور کے بھتیے ’ فتح پور مہن دیوانی کے سررشتہ دار تھے - واجد علی شاہ کے زمانے مہن امہن ہوئے - ان کے والد اُس زمانے کے مشہور مرثیہ گو تھے - ”نور“ کو ابتدا ہی سے شعر و سخن کا ذوق تھا - شیخ امام بخش ”ناسخ“ نے ”نور“ تخلص تجویز کر کے اپنے شائر رشید مرزا محمد رضا ”برق“ کے سہرہ کیا - ان کا دیوان ”ضیاء نور“ کے نام سے ۱۲۹۶ھ (۱۸۷۹ء) مہن چھپ چکا ہے -

تغزل مہن ”ناسخ“ کا رنگ ہے ’ رعایت لفظی کا بوا خیال دکھتے مہن‘

اس لیے غزل کی خصوصیت مفقود ہے -

غزلیات

اے بےوہ ہجر کی تکلیف کو کہا پوچھتے ہو ؟
 رنج وہ دل نے اُٹھایا کہ خدا یاد آیا

نہ داد ملتی تو پھر داد خواہ کہا کرتا ؟ خدا کے سامنے ہڈر گداہ کیا کرتا ؟
 مراخذہ نہ بےتوں سے تھا حشر مہن منظور خدا کو ظلم و ستم کا گواہ کیا کرتا ؟

کسی میں نام کو بے وفا نہیں باتی : ہر ایک گل چمن روزگار مہن دیکھا
 سفید بال ہوئے موسم جوانی مہن خزاں کا رنگ شروع بہار مہن دیکھا

دل میرا محو یاد الہی تھا اے بےوہ تم آئے سامنے تو مرا دھیان بت گیا

کہلے دو ، اگر خلق برا کہتی ہے مجھ کو ؛
 وہ کون ہے جو عشق مہن دسوا نہیں ہوتا ؟

جاںہیں لڑا دو آج ، جوانو ، کفار جو موتی کی آب ھے جسے کہتے ھیں اُبرو
 کرلو اسہر یوں انہیں حلقے مہں گھہر کے
 جس گہات سے پکڑتے ھیں بچوں کو شہر کے

رہواروں کی تہریف

جس صف پہ جس پرے پہ یہ گھوڑے ڈپٹ کے آے
 یوں آئے جھسے شہر گرسلہ چھپٹ کے آے
 مثل تگرگ دھیت پہ سر تن سے کٹ کے آے
 گھوڑوں سے خاک پر تن بے سر اُلت کے آے
 سب خاک مہں ملے جو غرور اُن کے سر مہں تھے
 سہلوں مہں گردنہیں تھیں ، تو سہلے کمر مہں تھے

یار کا حال مساری ہے مری جانب سے :
نہ برا کہتے ہیں ظاہر میں ' نہ اچھا دل میں

نہ صرصر ، نہ باد صبا چاہتا ہوں ؛ جلیوں خیز ہو ، وہ ہوا چاہتا ہوں
مجھے دوست دشمن برابر ہیں دونوں : ہروں کا بھی اے دل ' بھلا چاہتا ہوں

چوہا ہے نشہ زر ' رات دن بھہوش رہتا ہے :
خبر اپنی نہیں ملےم کو ' غافل اس کو کہتے ہیں

جب سے اُس گل نے گرایا آنکھ سے ، سب کی نظروں میں ذلیل و خوار ہوں
اب گذارے پر جہاز عمر ہے ؛ ایک دن دریائے غم سے یار ہوں
شکر دیوانگیاں ہم-دراہ ہے ' میں جلیوں کا قافلہ ساز ہوں

دور فلک کے ہاتھ سے جاؤں کہاں نکل کے میں ؟
کون سی وہ زمیں ہے جس پہ یہ آسمان نہیں ؟

شکوہ جود بےعاشق میں لا حاصل ہے ؛ رنج اُٹھانے کو بلایا تھا خدا نے ہم کو
سائے کی طرح رہے ساتھ پریمزادوں کے : آپ پامال کھا اپنی وفا نے ہم کو
اے دل ' فراق یار میں لے چل وہاں مجھے ' جس جا یہ آسمان نہ ہو ' یہ زمیں نہ ہو

دل بلایا جس نے اُس کی شان دیکھا چاہیے
کھا مکان کو دیکھتا ہے ؟ سورے صاحب خانہ دیکھ

کھا نشاں دوس کہ رشک آقا ہے ؟ میں چلیوں آپ نامہ بر کے ساتھ
آگے مرے دھری دھیں شب بھر گلابیاں ؛ دیکھا کھا میں ساقی پیمان سخن کی راہ
اُنہیں تو آنکھ مد نظر ہے ' یہاں دو دو پہر زانو بہ سر ہے
تمام رات مجھے بیقرار رکھتا ہے : مزے عجیب ترا انتظار رکھتا ہے
برق نگاہ یار بھی کھا [۱] کام کر گئی عمر دو روزہ ایک نظر میں گذر گئی
وہ آچکھیں ' تو روح کرے جسم سے سفر یارب ' ہلاک ہوں میں مسیحا کے سامنے

شکلِ گل ' زرد ہمیں خدا دے گا : جو ہکاڑے کا وہ بنا دے گا

پہرتے ہوں آسما کی طرح فکرِ رزق میں ؛
اس کی نہیں خبر کہ ملے گا کہاں سے کیا ؟

کیوں اڑا کر ' اے صبا ' مٹی مری برباد کی ؟
خاک پائے پیار تھا ' گرد بیاباں ' میں نہ تھا ؟
قطع ' اے دل ' کب ہوا چوہں جلوں کا سلسلہ ؟
کب اسہر حلقہ گھسوی پہچان ' میں نہ تھا ؟

بارِ فراق پیار بھی بارِ عظیم ہے ' اے آسماں ' یہ بوجھ آتے گا زمیں سے کب ؟

خالی نہیں کٹائے سے صاحب کی کوئی بات :
ثابت ہوا ہمیں کہ نہایت ہیں دور آپ

ہائے میں خون کے دھبوں سے طرفہ گل برتے :
ترے شہید کے زخموں سے ہے کفن کی بہار

لائی ہے "نور" مجھ کو خراباتِ دھرم میں ملکِ عدم سے عالمِ ایجاد کی ہوس
پہلچا ہے جستجو میں تری کوہِ طور پر اللہ دے ' تھوڑے طالبِ دیدار کی تلاش !

ہے دل کو چشمِ ساقی کُلفام سے غرض :
شہشے سے مدعا ہے نہ کچھ جام سے غرض

نغمہ سلجی سے تری ' دل کو مزا ملتا ہے
پھر اُسی لطف سے کر ' باغ میں نالے ' بلبلی

اے بے ' ہم نے تم کو پہچانا بخدا ' قدرتِ خدا ہو تم
یہی دو بول کہ کے ہمارے ہیں : تم ہمارے ہو ' ہم تمہارے ہیں

ظاہر ہے بے ثباتیِ گلِ باغِ دھرم میں ہم کس امید پر ہوس رنگ و بو کریں ؟

ہے دل پروانہ سوزاں ہزم میں شمعِ یہ روشن سرِ متحذل نہیں

منیر

اسمعیل حسون "ملہو" سید احمد حسون "شاد" کے بھتیجے شکوہ آباد ضلع میں پوری کے رہنے والے تھے - ۱۲۲۹ھ [۱] میں پیدا ہوئے - اپنے خود نوشت سوانح میں لکھتے ہیں کہ بچپن سے اُن کی طبیعت شاعری کی طرف مائل تھی، پہلے "ناسخ" سے اصلاح لی، پھر میر علی اوسط "رشک" کے شاگرد ہو گئے، عرصے تک لکھنؤ میں رہے اور یہیں تعلیم و تربیت حاصل کی - لکھنؤ، موشد آباد، کانپور کے مشاعروں میں انٹر شرکت کی [۲] ان کے تین دیوان کلیات کی صورت میں چھپے ہیں، نثر میں کئی رسالے، اعلان الحق، سراج الملہو، تلخیص النشأتوں بفضل الثقلون، امان المومنین عن مکائد الشیاطین، یہی ان کی تصنیفات ہیں - غدر کے بعد ایک قتل کی سازش میں ان پر مقدمہ قائم ہوا اور کالے پانی کی سزا تجویز ہوئی - ۱۸۶۰ع میں قید سے رہائی پائی - آخر عمر میں نواب کلب علی خاں کے عہد میں رام پور میں قیام کیا اور ۱۲۹۷ھ (۱۸۸۱ع) میں وفات پائی -

نہایت ذہین اور پر گو شاعر تھے، ہر صنف میں ان کے اشعار کثرت سے موجود ہیں - قصیدے کی سی پرگوئی غزلوں میں بھی ہے - ایک ہی طرح میں تین تین چار چار غزلیں ۳۲ اور چالیس اشعار سے زیادہ کی موجود ہیں - یہی وجہ ہے کہ غزل میں قصیدے کا زور ہے لیکن غزل کی خصوصیات، سوز و گداز اور آمد کا لطف موجود نہیں - قصائد میں بھی اگرچہ سب کچھ ہے لیکن تسلسل مضامین اور ترتیب اکثر جگہ مفقود ہے -

[۱]—دیوان اول (کلیات منیر) کے دیباچے میں جس کا تاریخی نام منتخب العالم (۱۲۶۳ھ) ہے لکھا ہے کہ ۳۵ برس کی عمر میں منیر نے یہ دیوان تصنیف کیا تھا - اس حساب سے سال ولادت ۱۶۶۳—۱۲۲۹—۳۵ ہونا ہے -

[۲]—تاریخ ادب اردو ص ۲۸۱، ج ۱ - و مقدمہ دیوان اول (کلیات منیر) شکوہ آبادی -

پاس جانا کہاں نصیب ہوں ؟ دور سے دیکھنا فلتہست ہے
رات دن اُس کا نام جوتے ہوں : عاشقوں کی یہی عبادت ہے
تھرے قدموں پہ دم نکل جائے : بس یہی دل میں ایک حسرت ہے

یہ مست تھے کہ موثر نہ ہم کو بلند ہوئی
کھلی حقیقت دنیا جب آنکھ بند ہوئی

ہم جو تھے ملک عدم میں تو بڑی راحت تھی
ونچ اُٹھانے کے لئے جانب دنیا آئے

نہ دیا ساتھ مصہبت میں کسی نے اپنا خوب ہم الفت یاران وطن دیکھ چکے

زاہدا، عشق مجازی ہے حقیقی کی دلیل :
عشق کامل جو بتوں سے ہو، خدا ملتا ہے

یارب، مدام اوج پہ حسن بے جا رہے مثل زمیں قدم کے نلے آسمان رہے

تپ تپاق کی سوزش کو پوچھتے کیا ہو ؟
جگر میں آگ لگی ہے، بجھا نہیں سکتے

حال قسمت کا جواب خط جاناں سے کھلے
وہ جو نامہ مجھے بھیجے خط تقدیر بٹھے

ہم سا عالم میں نہ ہوگا کوئی کم کردہ حواس
یہ نہیں یاد کہ ہم دل کو کہاں بھول گئے

شبِ درد و غم یوں بسر ہو گئی : تڑپتے تڑپتے سحر ہو گئی

خلعت مجھے وحشت نے دیا وسعت دل کا
 جامے میں مرے دامن صبحرا نظر آیا
 مل مل گئے ہیں خاک میں لاکھوں دل روشن
 ہر ذرہ مجھے عرش کا تارا نظر آیا

جان کر اُس بت کا گھر کعبے کو سجدہ کر لیا
 اے برہمن ' مجھ کو بہت اللہ نے دھوکا دیا

غم سہتے ہیں ' پر غمزہ بھجنا نہیں اُٹھتا
 مرنے میں مگر ناز مسیحا نہیں اُٹھتا

سینے سے مہاں ہے دل دیوانہ ہمارا دیواروں سے چھپتا نہیں ویرانہ ہمارا
 جانے کو تو جاؤ گے زرا اور تھہر جاؤ ہشیار تو ہو لے دل دیوانہ ہمارا
 ملنے سے نکل آیا ہے جگر ' اُف نہیں کرتے دل دیکھ لے اے ہمت مردانہ ' ہمارا
 دنہائے دوس میں دل مجھے لایا بہشت سے خانہ خراب اور کرے گا قصور کیا

تمہارے گھر سے پس مرگ کس کے گھر جاتا ؟
 بتاؤ ' آپ سے جاتا تو میں کدھر جاتا ؟
 اجل کے بھوس میں مہرے تلاش کر لہجے
 وہ آپ تھوٹنے کے لے آئی میں جدھر جاتا

دل تارا ' جان تری ' عاشق شہدا تھرا
 سب یہ تھرا ہے تو پھر کس لئے " مہرا " تھرا ؟

داغ گدھا ہوں کلی بستان مغفرت آئے اگر مدیلے سے جھونکا نسیم کا

آج پر کیا ہے ' ہمیشہ تھی لطافت پردہ دار
 کب ترا جسم ' اے پری ' پھراہن جاں میں نہ تھا

دنیا و دیں سے جس نے نکالا کھوے کھوے
 یادش بخیر وہ دل خانہ خراب تھا

بھگانہ ٹھک و بد سے رہا ہر لباس میں
 کدگیا بہار میں ' تو خزاں میں گلاب تھا

مناجات

یہی اُمید ہے فضلِ عظیمِ حقِ تعالیٰ سے
 کہ جب تک لطفِ گردہں گلبند گردوں کو حاصل ہو
 نہایاں زیرِ گردوں رات دن ہو جس زمانے تک
 قمرِ خورشید سے تدویر کا چپ تک کہ سائل ہو
 پسندِ خطا طرِ مردم مرا دیوان ہو یارب
 جو دیکھے اہل علم و فضل میں وہ اس کا مائل ہو

یہ عرض ہے تری درگاہ میں خداوند! کہ تیرے دل میں نہایت گناہگار ہوں میں
 مکان ہے دل کانر سے تیرے تر مہر سیاہِ بخت میں یارب! سیاہِ ہکار ہوں میں
 بلند ہے عرقِ انفعال کا طوفان و قورِ جرم سے اس درجہ شرمسار ہوں میں
 یہ العجا ہے کہ بھر نبی و آل نہیں معاف کر مجھے تیرا قصور وار ہوں میں

غزلیات

دیوانوں کو نہیں خبرِ دوزخ و بہشت اللہ کو ہے علمِ ہمارے مآل کا

اچھی نہیں ہر لحظہ ”ماہر“ اشکِ فشانے
 دوتا ہوں نہ کھل جائے کہیں رازِ تمہارا

بہتکے پھرے دو عالمِ دیر و حرم میں ہم
 اس سمتِ کفر، اُس طرفِ اسلام لے گیا
 میں جستجوئے کفر میں پہنچا خدا کے پاس
 کعبے تک ان بتوں کا مجھے نام لے گیا

پی فہر نے شرابِ مجھے بیخودی ہوئی نشہ چڑھا کسی کو، میں پھوہس ہو گیا
 طالع جگائے آپ نے اربابِ عشق کے یوسف کا حسن، خواب فراموہس ہو گیا

بسمل کے بھی تڑپاے کو ملتی نہیں جگہ
 کیا عرصۂ حیات چہاں، تلک ہو گیا

آنکھوں میں بھرتی ہے اُس غورت لہلی کی شہوہ
 پردۂ چشم کو میں پردۂ محصل سمجھا

یہی انصاف ہے اے فصل بہاری ' تھرا :
 جال میں مرغ چمن ' باغ میں صہاد دے ؟
 بادشاہوں میں ہوں محسوب ' نہ درویشوں میں
 یا آٹھی تری دنیا ' ہمیں کیا یاد دے
 کہا بتائوں تجھے اے شوخ حقیقت اپنی
 نامراد آئے تیرے کوچے میں ' ناشاد دے
 خوف پوری سے نظر بھر کے نہ دیکھا تجھ کو
 اے جوانی تری صورت ہمیں کہا یاد دے
 چاہو مجھ کو ترا ناز اُٹھانے والا
 جان جانی ہے تو جائے دل نا شاد دے

ازل سے جو زخمی ہے وہ دل یہی ہے خدا ساز دنیا میں بسمل یہی ہے
 نصیب ایسے نالے کہاں بلبلاؤں کو ؟ میں پہچانتا ہوں ' مرا دل یہی ہے
 نہ تو کچھ فکر نہ تدبیر لہے پھرتی ہے جابجا گردش تقدیر لہے پھرتی ہے
 راعے قسمت نہیں ملتا کوئی پڑھنے والا زال دنیا خط تقدیر لہے پھرتی ہے

زہر قاتل دونوں ہیں ہمارے ہجران کے لہے
 مہربانی آپ کی : نا مہربانی آپ کی
 پائے نازک پر جو سر رکھا تو کھائیں تھوکر ہیں
 یہ ہماری بلدکی ' وہ قدردانی آپ کی

سب ہیں مجاز دوست ' حقیقت پسند ' میں
 بلدہ ادھر ' تمام زمانا ادھر دے
 علیایت ہو گئی جاگھر میں ' اقلہم استغنا خدائی مانگ کر لیا میں درگاہِ الٰہی سے
 آئی خاک اُس کے دھنڈر کی یارب یہ ہوا چلی کدھر کی
 جھٹکے دیے یاس نے دم نزع تو تھی اُسود عمر بھر کی
 مرے تن میں جان بن کر نہ دھوئے تم ہمیشہ
 کہو مہد زندگی کا کسے اعتبار آئے ؟

دنیا و دیس کو چھوڑ کے کس سمت کھو گیا
دھونڈو یہیں کہیں دل خانہ خراب تھا

اک روز بھی نہ کوچے میں اُس کے گذر ہوا سو مرتبہ زمانہ اِدھر کا اُدھر ہوا
دشت چلوں سے نقش کف پا اُلجھ پڑا شکر خدا کہ پانو مرا درمہاں نہ تھا
بجلی تھی مہربان' کبھی آنس بہار صد شکر ' بے چراغ مرا آشیان نہ تھا
عمر رفعت کے تفحص کو گھا تھا لیکن حشر تک طالع برگشتہ نہ پھر کر آیا

اُن کے جاتے ہی نہ تھہرے گی بہار بزم عیش
سانہ اپنے ایک دل سارا چمن لے جائے گا

گواہ تیر نکہ بھی ' اجل بھی شاہد ہے تمہارے سامنے میں جان بیچ کر آیا
دنیا سے ہے باہر دل دیوانہ کسی کا بستی میں سماتا نہیں وہرانہ کسی کا
ساقی کے قدم لیلے سے کھا ہاتھ لگے گا دل تھام لے اے لغزش مستانہ' کسی کا
گھر پھونک دے اے برقی جہاں سوز ' خدا را ' جلنے ہی سے روشن ہو سیہ خانہ کسی کا
نہلدا آئی ہے ہر ایک کو آفوس لحد میں شاید کہ اجل کہتی ہے افسانہ کسی کا
جاگی ہوئی تقدیر نہ سوچاے شب وصل لگے نہ کہوائیے افسانہ کسی کا
ساقی میرے دیدار دیے جاٹھو لیکن اتنی کہ نہ لہریز ہو پیمانہ کسی کا

ایلوں کے توڑ چوڑ سے پھندے میں پھنس گیا
مہرے گلے میں طوق ہے دست شکستہ کا

وصل نے لوٹ لیا دونوں کو تلہا پا کر
آج مہرا ہے گردبان نہ دامن اُن کا
مجھ کو تو اپنی شہادت کا نہ ہوگا دعویٰ
ہاتھ پہچان نہ لیں خلتجر و گردن اُن کا

دل میں ہمارے وحشت مجلوں نے لی پناہ
مدت کے بعد خانہ خرابی کو گھر ملا
نقصان کا عوض ہو زمانے میں کس طرح
جو دن گذر گیا نہ کبھی عمر پھر ملا

مکان گور کہن ' فرہی خاک ' بالاش سنگ '
 کھڑے تھے بھاگلے کے واسطے در و دیوار
 عجب نہیں ہے جو آنکھوں کی راہ پھولی نیند
 اندھیرے گھر میں غصے آ آ کے پھر گیا کئی بار
 اندھیرے میں نہ ملا نیند کو مقام پناہ
 لڑز کے مردوں کی آنکھوں میں جا چھپی اکبار
 چراغ جا کے جلا لائے غول دوزخ سے
 نہ پائی آتش روشن مہمان شہر و دیار
 چراغ خانہ مفلس کی طوح مہاہ فلک
 چمک کے شام کو نکلا نہ صبح تک زہار
 اندھیری رات میں یوں تھا ہجروم اہر سیاہ
 کہ چیسے اڑدے پر ہو سیاہ دیو سوار
 زمانے بھر کی بلاؤں میں مبتلا تھا میں
 خفا میں جان سے تھا جان مجھ سے تھی بھزار
 ادھر تو کھینچتی تھیں سخت جانیاں دامن
 ادھر قضا مرے لے جانے کے لئے تھار
 میں طرفہ رد و بدل تازہ کشمکش میں تھا
 مرے لئے ہوئی ہستی و مرگ میں تکرار
 ہر اک کو دونوں میں دعوے انضامت تھا
 ہر ایک کرتے تھے اپنی فضیلتیں اظہار
 بہان دعویٰ ہستی یہ تھا کہ سن اے مرگ '
 میں تجھ سے بڑھ کے ہوں ' آگاہ ہوں صغار و کبار
 مرے طفیل سے قائم ہوں آسمان و زمیں
 مجھی سے ہیں مہ و خورشید مطلع انوار
 مرے سبب سے ہے مہدی دین حق قائم
 مرے سبب سے ہے ابدال صاحب اسرار
 خدا نے کھائی قسم ہستی محمد کی
 تو کیا ہے عرش سے بھی میں ہوئی بلند وقار

دکھو دل چہراں کو اگر سامنے اپنے آئینہ تمہیں ملے نہ دکھائے مرے آگے

حسن تیرا ہر آنکھ میں ہے نہ لاکھوں نقشے ہیں ایک صورت کے
فکر دوزی میں پھرتے ہیں سر تکرے کھاتے ہیں پھوٹی قسمت کے

بال پکھرائے ہوئے آتے ہو کیوں مقتل میں
اتھ کے لے لیں نہ بلائیں کہیں مرنے والے

آنکھ پھرتے ہی تری، مجھ سے خدائی پھر کئی
کیا مری ہر گھٹتہ بختی کی دھائی پھر کئی

نہ کھینچو جگر سے کٹاری ابھی مزا لیتی ہے بے قراری ابھی
وہی آزمائش ہے اُن کی ہلوز وہی مہربی بے اعتباری ابھی
جانا ہے لطف کیف جوانی دماغ سے پہلے پہل یہ پھول بچھڑتا ہے باغ سے

ہر کسی کا تو کہیں نام مٹے کوئی تو آئے، قیامت ہی سہی
کھا بذا لیں گے بگڑ کر مجھ سے تھرے تھور، مری قسمت ہی سہی

مختص

فزل رشک

توحید میں ارشاد مکرر ہے خدا کا مشرک جو ہے دشمن وہ مقرر ہے خدا کا
دیدار کم احول کو میسر ہے خدا کا جو دیدہ یک بہن ہے وہ ملظہ ہے خدا کا
جس دل میں نہیں شرک وہی گھر ہے خدا کا

فزل ثواب نصیر الدولہ

ہے میسر مجھے نظارۂ باغ اس تجلی سے ہر شہ پر ہے دماغ
نہیں راتوں کو احتجاج چراغ سیلہ خاور ہے آفتاب ہے داغ
صبح معشر مرا گریہاں ہے

قصائد

نعت سیدالوسلین (مناظرۂ ہستی و مرگ)

مہذب رات ہی ایسی کہ بس خدا کی پناہ
زبان ہو سر ہو پر ہی الامان کی پکار

ہزاروں قید مہں روتے ہیں جان کو تیری
 مجھ بلاتے ہیں سر پہر پہر کر ہر بار
 زسانے بھر مہں ھے شکوا کرے تلوں کا
 کسی کے ساتھ نہیں تیری ایک سی رفتار
 کسی کو کھیلچ کے مسلد سے خاک پر پھیلکا
 کسی کو ڈال دیا چاہ غم مہں یوسف وار
 امیر تھے جو سلیمان عہد دنیا مہں
 بزرگ مور وہ پھرتے ہیں دانے کو ناچار
 غضب ھے تخت سے جمشید کو اُتار دے تو
 ستم یہ اور ھے ضحاک کو کرے مستعار
 بےجا، جو نزع کی مشکل نہ مہں کروں آساں
 تو تا یہ حشر پڑا تڑپے فیم کشتہ شکار
 اڈو کروں نہ سبکدوش مہں دم سکرات
 تو بار خاطر اعلیٰ و عیال ہو بھمار
 فرض کہ رکھتی ہوں مہں ہو قریب کا پردہ
 تجھے بھی چاہیے ہو دل سے مہری ملت دار [۱]
 ضرور کر کے ہوئے مدعی خدائی کے
 توے سبب سے سلاطین ظالم و جبار
 خوشی مہں تو نے شہان علیہ کو رکھا
 ملول تجھ سے وہ انبیاء مرشد و قار
 خدا نے حکم دیا ”قبل ان تموتوا“ کا
 جہان مہں مرے مشتاق رہتے ہیں ابرار
 پھمبران خدا میرے شہر مہں سب ہوں
 کہ جن کے نقش کف پا سے خلد ھے کلزار
 خصوصاً اُن مہں شہ انبیا حبیب خدا
 شفیع امت و معبود ایزد فساد
 صفائے اُملہ لا اِلهَ اِلا اللہ
 جلالے سرمد ما زاغ واقف اسرار

مرے سبب سے خضر دھماکے عالم ہے
 مرے سبب سے ہے الیاس صاحب آثار
 مرے سبب سے ہے فردوس آشیان ادیس
 مرے سبب سے مسیحا ہے آسمان سیار
 محیط دھر مہوں مہوں ہوں بونگ کشتی نوح
 ترے وجود مہوں طوفان قہر کے آثار
 مرے پیالے مہوں آب حیات ہے لہریز
 تری شراب مہوں مخلوط زہر عقب و مار
 خطاب متجہ کو دیا سب نے جان شیریں کا
 ہر ایک تلخی بے نفع سے تری ہزار
 مرے نصیب مہوں بانگ نشاط و نعمۂ عیش
 تری بساط مہوں ہے نوحہ اور نالہ زار
 کہا یہ مرگ نے بس بس خموش 'اے ہستی'
 کچھ اِس مہوں راست ہے 'کچھ لاف ہے تری گفتار
 مہوں وہ ہوں جس سے لڑتے ہوں سرکشان جہاں
 میں وہ ہوں جس سے ہیں عاجز ستمگر و اشرار
 مرے سبب سے شہدوں کو ہے حیات ابد
 مرے سبب سے ہیں پھونڈ خاک بد کردار
 مرے وسیلے سے ابرار زینت فردوس
 مرے طویل سے اشرار ہیں وقود النار
 پسند آتی ہے تو کس کو ضعف پیری مہوں
 کہ اپنی جان سے ہو جاتے ہیں بھر ہزار
 ترے سبب سے ہیں متعلو مہوں چلند دولت مند
 ہزاروں 'رنج سے ہیں نالہ کش پس دیوار
 تری شراب نہیں ہے خسار سے خالی
 نہفتہ نوش مہوں تھرے ہیں نہش زہر ہزار
 ہزاروں ہیں مرض مفاسی سے جاں پرلپ
 بچا تو کس کو پلائی ہے شربت دہنار

بھیلاؤں میں تھرے در دولت کے برابر دامن ہو جو محتوائے قہامت کے برابر

رُت ہے بوسات کی بہت پھاری بدلتا چھا رہی تھیں گردوں پر
بجلیوں کی چمک میں ہے چہل بل کہا ہری دوب جنگلوں میں ہے
ہر طرف کھل رہے ہیں گل بوٹے تھلکی تھلکی ہوائوں پر وائی
شفق سرخ رنگ لائی ہے ندھی ندھی بوستی ہیں بوندیں
کوکلا، بکلی، کوئلے، طاؤس قازیں، مرغابیاں، بطیں، سرخاب
کھیت دھانوں کے لہاھے شاداب عکس طوطی ہو چھسے آٹکے میں
سوندھی سوندھی زمین کی مٹی

آپ کے ہاتھ میں ہے وہ تلوار نام اس برق کا ہے دشمن سوز
جس نے بجلی کو کر دیا عاری کام اس ابر کا ہے خون باری
ہے سواری میں کیا پری گھوڑا کو رہی ہے صبا چلور اُس پر
خوش خرامی میں کبک کھساری بوے گل کرتی ہے جلو داری

پڑی ہے مجھ سے عناصر کے دل میں یار گہ پڑی جو تھوری میں، عالم وہ حسن کا نہ رہا
بساط عمر رواں کا ہے عرض چار گہ کسی سے سیکھ گئی نشے کا اُتار گہ
تو اپنی گانگہ میں ہاندھے مرا غبار گہ سمجھ لے قدر جو اکسہر خاکساری کی

زمانے بھر میں خوشی کا کہیں نہیں ہے وطن
خدا کے فضل سے ہے رامپور ہی مسکن

ہر رنگ گل ہے ہر اک کے گلے میں پورا ہن
ہر اک کے ساتھ لگی پھرتی ہے بہار چمن
کہیں مشاعرہ ہے پڑھ رہے ہیں اہل سخن
نام شہرہ رنگیں لباس، خوش پوشاک
شگفتہ طبع و شگفتہ دل و شگفتہ مزاج
کہیں مباحثہ علم و مجلس فصلا

برنگ فلچہ جو ہے مہم احمد عربی
امانت اُس کی بغل میں ہے ہوے گلشن یار
”ملہر“ مدحت حاضر میں عرض کر مطلع
حضور قلب ہے نعت رسول میں درکار

مفتی امیر المومنین حضرت علی

نور خورشید جو ہو صافقہ طور حمل موسیٰ روز کرے مصر دل شب میں عمل
مصر شب میں جو کرے بادشہ روز عمل دل فرعون میں پھونکے ید بوضا مشعل
گل رعنا کے تماشے کے لیے گلشن میں ایک جا ہو گلہں شام ابد و صبح ازل

پردہ ابر بہاری میں ہوائے گلشن لے چلی دیدہ نرگس سے چرا کر کاجل
جلگ بدر واحد و خلدق و خیدوسر کی تیوی تلوار کے لنگر سے پسے لات و ہبل
کھا کروں اسپ فلک سہر کے اوصاف رقم سایہ اس کا شب وصل تو بجلی چہل بل

لکھ درں تقویم کہیں میں جو مہم سرعت اِس کی
ہم بغل شام ابد سے ہو ابھی صبح ازل

مفتی جناب سیدۃ النساء

گذری شب سہاہ تجلا ہے نور کا پڑھئے نماز صبح کہ توکا ہے نور کا
مصرع سے کم نہیں ہے قہام نماز صبح دو رکعتیں ہیں مطلع زیبا ہے نور کا
معراج پائی سجده کھا خاک پاک پر داغ سجود ہے کہ ستارا ہے نور کا

مدح ثواب کلب علی خان

آ جاتے تھے تم صبح کی ساعت کے برابر پھیلاتے ہو اب پانو قیامت کے برابر
جب دیکھتے ہو منجہ کو بگڑ جاتے ہیں تھور ہے چوں جبوں توغ عداوت کے برابر
دیوانوں سے ہر روز ترا گیسوے خمدار آشفتم ہے زلف شب فرقت کے برابر
ہشیار، نہوں کوئی جو آنا ہے چلے آؤ ہے بزم جہاں گوشہ خلوت کے برابر

مطالع

پتا ہو اگر گلشن جلت کے برابر گردوں بھی ہو تھورے کف ہمت کے برابر

یہی انصاف ہے اے فصل بہاری ' تھرا :
 جال میں مرغ چمن ' باغ میں صہاد دے ؟
 بادشاہوں میں ہوں محسوب ' نہ درویشوں میں
 یا آٹھی تری دنیا ' ہمیں کہا یاد دے
 کہا بتائیں تجھے اے شوخ حقیقت اپنی
 نامراد آئے ترے کوچے میں ' ناشاد دے
 خوف پھری سے نظر بھر کے نہ دیکھا تجھ کو
 اے جوانی تری صورت ہمیں کہا یاد دے
 چاہے مجھ کو ترا ناز اُتھالے والا
 جان جاتی ہے تو جائے دل ناشاد دے

ازل سے جو زخمی ہے وہ دل یہی ہے خدا ساز دنیا میں بسمل یہی ہے
 نصیب ایسے نالے کہاں بلبلوں کو ؟ میں پہچانتا ہوں ' مرا دل یہی ہے
 نہ تو کچھ فکر نہ تدبیر لے پھرتی ہے چاہیجا گردش تقدیر لے پھرتی ہے
 وائے قسمت نہیں ملتا کوئی پوچھنے والا زال دنیا خط تقدیر لے پھرتی ہے

زہر قاتل دونوں ہوں ہمارا ہجران کے لے
 مہربانی آپ کی : نا مہربانی آپ کی
 پائے نازک پر جو سر رکھا تو کھائیں تھوکر ہیں
 یہ ہماری بلذکی ' وہ قدردانی آپ کی

سب ہوں معجز دوست ' حقیقت پسند ' میں
 بندہ ادھر ' تمام زمانا ادھر دے
 علیحدت ہو گئی جاگہرموں ' اقلوم استغنا خدائی مانگ کر لایا میں درگاہِ آہی سے
 آئی خاک اُس کے دھندل کی یارب یہ ہوا چلی کدھر کی
 جھٹکے دیے پاس لے دم نزع توٹی اُمید عمر بھر کی
 مرے تن میں جان بن کر نہ دھوگے تم ہمیشہ
 کہو عہد زندگی کا کسے اعتبار آئے ؟

ہجوم ہے سر بازار مہ جھیلوں کا بھرے ہیں نور کے بکریں سے کوچہ و بوزن
خوشا نصیب جو اس شہر میں رہے آ کر جو بادشاہ ہو تو بھی نہ یاد آئے وطن

مدح منشی احمد حسن خاں ”عروج“

بارے آئی نجات کی باری	کھل کھلا عقدہ گرفتاری
ہم کو منصب ملا دھائی کا	قہد کو جائداد بیکاری
کوچ تھہرا مقام غربت سے	اب وطن چلنے کی ہے تہاری
دخست اے دوستان زندانی	الوداع اے قم گرفتاری
کالے پانی سے ہوتے ہیں رخصت	اشک شادی ہیں آنکھوں سے جاری
بیٹھتے ہیں جہاز دودی پر	اُٹھتے ہیں لنگر گواں باری
کرم اے خضر، المدد اے نوح	رحم اے فضل حضرت باری
السلام اے خروش بصر محوٹ	السر اے سفیلہ جاری
زاد راہ سفر، توکل ہے	دھمائی کو اُس کی غفاری
سامنے ہو طرف سمندر ہے	سایہ آسمان زنگاری

مغلسی اور رمضان

رمضان اب کا شہر ہے مجھ پر	پہارے کھاتے ہیں روزے آتھ پھر
مغلسی پہلے بھیج دی مرے پاس	پھر ہوئے آپ مہمیں آکر
کون کہتا ہے روزہ ہے قاشام	رات دن ہے مقام میرے گھر
کھانے پینے کی چھڑ کوں کر آے	خود بدولت کھڑے ہیں پھرے پر
سحری کے لئے دکھاتے ہیں	نقل بادام دیدہ اختر
شام کے وقت پھر افطاری	نمک بخت شور پیس نظر
قدح آب کی جگہ موجود	خوب لبریز آنکھوں کے ساغر
نلع کامی اگر نہ زہر ملاے	جان شہریں کو کھاؤں جائے شکر

نذر عید قربان

قصر جاں پروں رہ باغ دلکشای صبح عید	دامن دولت سے آتی ہے ہوائ صبح عید
تہنیت دیتی ہے ہر دم عید دلہن نعمت سلج	ہے زبان برگ گل پر ماجراے صبح عید
دلکش گلہاں اگر دیکھے مہمان دامود	کوچہ چاک گرد بہاں بھول جائے صبح عید

مکان گور کہن ' فرہی خاک ' بالاش سلک '
 کھڑے تھے پہاڑ کے واسطے در و دیوار
 عجب نہیں ہے جو آنکھوں کی راہ بھولی نیند
 اندھیرے گھر میں فحش آ آ کے پھر گیا کئی بار
 اندھیرے میں نہ ملا نیند کو مقام پناہ
 لرز کے مردوں کی آنکھوں میں جا چھپی اکبار
 چراغ جا کے جلا لائے غول دوزخ سے
 نہ پائی آتھی روشن مہمان شہر و دیار
 چراغ خانہ مفلس کی طوح مہا فلک
 چمک کے شام کو نکلا نہ صبح تک زہار
 اندھیری رات میں یوں تھا ہجوم ابر سیاہ
 کہ جھسمے اڑدے پر ہو سیاہ دیو سوار
 زمانے بھر کی بلاؤں میں مبتلا تھا میں
 خفا میں جان سے تھا جان مجھ سے تھی بھزار
 ادھر تو کھینچتی تھیں سبکٹ جانیاں دامن
 ادھر قضا مرے لے جانے کے لیے تھار
 میں طرفہ رد و بدل تازہ کشمکش میں تھا
 مرے لئے ہوئی ہستی و مرگ میں تکرار
 ہر ایک کو دونوں میں دعوای انصافیت تھا
 ہر ایک کرتے تھے اپنی فضیلتیں اظہار
 بیان دعویٰ ہستی یہ تھا کہ سن اے مرگ '
 میں تجھ سے بڑھ کے ہوں ' آگاہ ہوں صغار و کبار
 مرے طفیل سے قائم ہیں آسمان و زمیں
 مجھے سے ہیں مہ و خورشید مطلع انوار
 مرے سبب سے ہے مہدی دین حق قائم
 مرے سبب سے ہے ابدال صاحب اسرار
 خدا نے کھائی قسم ہستی محمد کی
 تو کہا ہے عرش سے بھی میں ہوئی بلند وقار

دکھو دل چھراں کو اگر سامنے اپنے _____ آئینہ تمہیں ملے نہ دکھائے مرے آگے

حسن تہرا ہر آنکھ میں ہے نہا _____ لاکھوں نقشے ہیں ایک صورت کے
فکر روزی میں پہونے میں سر _____ تکرے کھاتے ہیں پہونی قسمت کے

بال بکھرائے ہوئے آتے ہو کیوں مقتل میں
اتھ کے لے لیں نہ بلائیں کہیں مرنے والے

آنکھ پھرتے ہی تری، مجھ سے خدائی پھر کئی
کہا مری پرکشتہ بختی کی دھائی پھر کئی

نہ کھینچو جگر سے کتاری ابھی _____ مزا لیتی ہے بے قراری ابھی
وہی آزمائش ہے اُن کی ہلوز _____ وہی مہری بے اعتباری ابھی
جاتا ہے لطف کھف جوانی دماغ سے _____ پہلے پہل یہ پہول بچھوتا ہے باغ سے

بوسہ کسی کا تو کہیں نام مٹے _____ کوئی تو آئے، قیامت ہی سہی
کہا بدلا لیں گے بکر کر مجھ سے _____ تھرے تہور، مری قسمت ہی سہی

مخمس

فزل رشک

توحد میں ارشاد مکرر ہے خدا کا _____ مشرک جو ہے دشمن وہ مقرر ہے خدا کا
دیدار کب احول کو میسر ہے خدا کا _____ جو دیدہ یک بھن ہے وہ ملظہر ہے خدا کا
جس دل میں نہیں شرک _____ وہی گھر ہے خدا کا

فزل نواب نصیر الدولہ

ہے میسر مجھے نظارۂ باغ _____ اس تجلی سے عرش پر ہے دماغ
نہیں راتوں کو احتجاج چراغ _____ سہلہ خاور ہے آفتاب ہے داغ
صبح متحشر مرا گریمیں ہے _____

قصائد

نعت سیدالرسلیں (مناظرۂ ہستی و مرگ)

مہبوب رات تھی ایسی کہ بس خدا کی پناہ
زبان ہر سر مو پر تھی الاماں کی پکار

ہزاروں قہد میں روتے ہیں جان کو تیری
 مجھ بلاتے ہیں سر پہور پہور کر ہر بار
 زمانے بھر میں ہے شکوا ترے نلوں کا
 کسی کے ساتھ نہیں تیری ایک سی رفتار
 کسی کو کھیلچ کے مسند سے خاک پر پھینکا
 کسی کو قال دیا چاہ فم میں یوسف وار
 امیر تھے جو سلیمان عہد دنیا میں
 ہرنگ مور وہ پھرتے ہیں دانے کو ناچار
 غصب ہے تخت سے جمشود کو اُتار دے تو
 ستم یہ اور ہے ضحاک کو کرے مستعار
 بےجا، جو نزع کی مشکل نہ میں کروں آس
 تو تا بہ حشر پڑا توپے فہم کشتہ شکار
 اکر کروں نہ سبکدوش میں دم سکرات
 تو بار خاطر اہل و عیال ہو بومار
 فرض کہ رکھتی ہوں میں ہر فریب کا پردہ
 تجھے بھی چاہیے ہو دل سے مہری منت دار [۱]
 فرور کر کے ہوئے مدعی خدائی کے
 تیرے سبب سے سلاطین ظالم و جبار
 خوشی میں تو نے شہان علیہ کو رکھا
 ملول تجھ سے رہے انبیاء ہریش و قار
 خدا نے حکم دیا ”قبل ان تموتوا“ کا
 جہان میں مرے مشتاق دھتے ہیں ابرار
 پیہبران خدا میرے شہر میں سب ہوں
 کہ جن کے نقش کف پا سے خلد ہے گلزار
 خصوصاً اُن میں شہ انبیا حبیب خدا
 شمع امت و محبوب ایزد قفار
 صفائے آئینہ لا الہ الا اللہ
 جلالت سرمد ما زاغ واقف اسوار

مرے سبب سے خضر رہنمائے عالم ہے
 مرے سبب سے ہے الہاس صاحب آثار
 مرے سبب سے ہے فردوس آشیان ادریس
 مرے سبب سے مسطحا ہے آسماں سیار
 متحیط دھر مہں مہں ہوں بونگ کشتی نوح
 ترے وجود مہں طوفان قہر کے آثار
 مرے پیالے مہں آب حیات ہے لہریز
 تری شراب مہں متعلوٹ زہر عقرب و مار
 خطاب متجہ کو دیا سب نے جان شیریں کا
 ہر ایک تلخی بے نفع سے تری بھڑار
 مرے نصیب مہں بانگ نشاط و نغمۂ عیش
 تری بساط مہں ہے نوحہ اور نالہ زار
 کہا یہ مرگ نے بس بس خموش 'اے ہستی'
 کچھ اِس مہں راست ہے 'کچھ لاف ہے تری گفتار
 مہں وہ ہوں جس سے لرزتے ہوں سرکشان جہاں
 میں وہ ہوں جس سے ہیں عاجز ستگر و اشرار
 مرے سبب سے شہدوں کو ہے حیات ابد
 مرے سبب سے ہیں پیوند خاک بد کردار
 مرے وسیلے سے اشرار زینت فردوس
 مرے طفہل سے اشرار ہیں وقود النار
 پسند آتی ہے تو کس کو ضعف پیری مہں
 کہ اپنی جان سے ہو جاتے ہیں بھر بھڑار
 ترے سبب سے ہیں متعلیوں مہں چاند دولت مند
 ہزاروں 'رنج سے ہیں نالہ کش پس دیوار
 تری شراب نہیں ہے خسار سے خالی
 نہفتہ نوشی مہں تھرے ہیں نہش زہر ہزار
 ہزاروں مہں مرض مفاسی سے جاں پرلپ
 بتا تو کس کو پلائی ہے شربت دینار

پھیلاؤں میں تھرے دو دولت کے برابر دامن ہو جو مستحوائے قہامت کے برابر

رُت ہے برسات کی بہت پھاری بدلتاں چھا رہی ہیں گردوں پر
بجلیوں کی چمک میں ہے چہل بل کھا ہری دوب جھلکیوں میں ہے
ہر طرف کھل رہے ہیں گل بوٹے تھلندی تھلندی ہوائوں پروائی
شفق سرخ رنگ لائی ہے ندھی ندھی برستی ہیں بوندیں
کوکلے، بگلے، کوٹلیں، طاؤس قازیں، مرغابیاں، بطیں، سرخاب
کھیت دھانوں کے لہاے شاداب عکس طوطی ہو چوسے آٹلے میں
سوندھی سوندھی زمیں کی مٹی

آپ کے ہاتھ میں ہے وہ تلوار نام اس برق کا ہے دشمن سوز
جس نے بجلی کو کر دیا ہادی کام اس اہر کا ہے خوں بادی
خوش خرامی میں کھک کھساری بوے گل کرتی ہے جلو داری

پڑی ہے منجھ سے عناصر کے دل میں یار گروہ پڑی جو تھوری میں، عالم وہ حسن کا نہ رہا
سمجھ لے قدر جو اکسہو خاکساری کی بساط عمر رواں کا ہے مرض چار گروہ
کسی سے سیکھ گئی نشئے کا آثار گروہ تو اپنی گانتھ میں باندھے مرا غبار گروہ

زمانے بھر میں خوشی کا کہیں نہیں ہے وطن
خدا کے فضل سے ہے دامپور ہی مسکن

ہر رنگ گل ہے ہر اک کے کلمے میں پوراہن تمام شہرہ رنگیں لباس، خوں پوشاک
ہر اک کے ساتھ لکی پھرتی ہے بہار چمن شکستہ طبع و شکستہ دل و شکستہ مزاج
کہیں مشاعرہ ہے پڑھ رہے ہیں اہل سخن کہیں مباحثہ علم و مجلس فضا

ہرنگ غلچہ جو ہے مہم احمد عربی
امانت اُس کی بغل میں ہے بومے گلشن یار
”ملہر“ مدحت حاضر میں عرض کر مطلع
حضور قلب ہے نعت رسول میں درکار

منتخب امیرالمومنین حضرت علی

نور خورشید جو ہو صاف طور حمل موسیٰ روز کرے مصر دل شب میں عمل
مصر شب میں جو کرے بادشہ روز عمل دل فرعون میں پہونکے بد بھضا مشعل
گل رعنا کے تماشے کے لیے گلشن میں ایک جا ہو گلشن شام ابد و صبح ازل

پردہ ابر بہاری میں ہوائے گلشن لے چلی دیدہ نرگس سے چرا کر کاجل
جنگ بدر واحد و خلدق و خیدر سر کی تھری تلوار کے لنگر سے پسے لات و ہبل
کھا کروں اس پفلک سہر کے اوصاف رقم سایہ اس کا شب وصل تو بجلی چھل بل

لکھ دوں تقویم کہن میں جو میں سرعت اِس کی
ہم بغل شام ابد سے ہو ابھی صبح ازل

منتخب جناب سیدۃ النساء

گذری شب سہاہ تجلا ہے نور کا پڑھو نماز صبح کہ تو کا ہے نور کا
مصرع سے کم نہیں ہے قہام نماز صبح دو رکعتیں ہیں مطلع زیبا ہے نور کا
معراج پائی سجده کھا خاک پاک پر داغ سجود ہے کہ ستارا ہے نور کا

مدح ثواب کلب علی خاں

آ جاتے تھے تم صبح کی ساعت کے برابر پھیلاتے ہو اب پانو قہامت کے برابر
جب دیکھتے ہو منجھ کو بگڑ جاتے ہیں تھور ہے چین جہوں قہقہ ہداوت کے برابر
دیوانوں سے ہو روز ترا گھسے خمدار آشفہ ہے زلف شب فرقت کے برابر
ہشیار نہیں کوئی جو آنا ہے چلے آؤ ہے بزم جہاں گوشہ خلوت کے برابر

مطلع

پتا ہو اگر گلشن جنت کے برابر گردوں بھی ہو تھرے کف ہمت کے برابر

مذہبی

”حجابِ زنان“

اے قلم لکھ دے پہلے بسم اللہ تاکہ نافع یہ سب کو ہو دال خواہ
 حال جو کچھ سُنا کیا موزوں نہیں اِس میں لطافت مضمون
 اپنے لہجے میں یہ کلام نہیں جب تو اِس میں وہ التزام نہیں
 سیدھی سیدھی زبان ہے اِس میں سادہ سادہ بیان ہے اِس میں
 نیک عورتوں کا ذکر

سنو رادی، جو بیوبیاں ہیں نیک چال اُن کی ہے ایک بات ہے ایک
 کام خوفِ خدا سے ہے اُن کو ربطِ شرم و حیا سے ہے اُن کو
 نہیں ہوتی ہیں بے لحاظ کبھی پردہ اُن کو ہے باپ بھائی سے بھی
 روکھی سوکھی جو پائی کھاتے ہوں جو مصیبتِ بڑی اُتھاتی ہوں
 جس سے کپڑے گدو ہوں یا برتن بھار میں جائے وہ چھوڑا پن
 ایسے تنِ پیوت کے مزے پر مذاک جس سے گت جانے سات پشت کی ناک
 نہیں بے یارِ یک اُن کا پیراھن کبھی کھلتا نہیں کھپوں سے بدن
 گھر سے جاتی نہیں کبھی باہر عمر پردے میں کرتی ہیں وہ بسر
 گھر میں مزدوری اپنی کر لینا دالِ دل سے پیوت بھر لینا
 شروع کی حد سے کب وہ بڑھتی ہوں مسئلوں کی کتابیں پڑھتی ہوں

ہرمزی خاتم فی گنگو

ماں سے تمب بولی ہرمزی خانم : اسی جان، آپ کہوں ہوئیں برہم
 دوس [۱] دینا کسی کو ہے بے جا تھا یہ مہرے نصیب کا لکھا
 اپنی بدنامی میں نہ چاہوں گی جس طرح ہو سکے نہاؤں گی
 اُن کے آگے نہ ایسی بات چلے کام اُنہوں سے ہے ہوں برے کہ بھلے
 گو کہ مقدور اُن کو آج نہیں پر غلظت میں ہیں، بد مزاج نہیں
 ہوں وہی گو کہ مالک و مختار پر ہوں ہر طرح مہرے تابعدار
 میں کڑی ہوتی ہوں، بگڑتی ہوں آزمانے کو اُن سے لڑتی ہوں
 ہونٹ آگے مڑے نہیں کھولے معجزہ سے بڑھ کر کبھی نہیں بولے
 دیکھ کر مہری شکل جیتے ہیں پانو دھو دھو کے مہرے پڑتے ہوں

ہجوم ہے سر بازار مہ چہیلوں کا بھرے ہوں نور کے بکریں سے کوچہ و برزن
خوشا نصیب جو اس شہر میں رہے آ کر جو بادشاہ ہو تو بھی نہ یاد آئے وطن

مدح منشی احمد حسن خاں "عروج"

بارے آئی نجات کی باری کھل گھا عقدہ گرفتاری
ہم کو مصلوب ملا رہائی کا قہد کو جائداد بیکاری
کوچ تھہرا مقام غربت سے اب وطن چلنے کی ہے تہاری
دخصت اے دوستان زندانی الوداع اے غم گرفتاری
کالے پانی سے ہوتے ہوں دخصت اشک شادی ہیں آنکھوں سے جاری
بہتہتے ہوں جہاز دودی پر اُتہتے ہوں لنگر گراں باری
کرم اے خضر، المدد اے نوح رحم اے فضل حضرت باری
السلام اے خرویش بکھر محض السفر اے سفیلہ جاری
زاد راہ سفر، توکل ہے رہنمائی کو اُس کی فغاری
سامنے ہر طرف سمندر ہے سایہ آسمان زنگاری

مغلسی اور رمضان

رمضان اب کا شہر ہے مجھ پر پھارے کھاتے ہیں روزے آٹھ پھر
مغلسی پہلے بھیج دی مرے پاس پھر ہوئے آپ مہمیاں آکر
کون کہتا ہے روزہ ہے تا شام رات دن ہے مقام مہرے گھر
کھانے پہلے کی چھڑ کھوں کر آے خود بدولت کھڑے ہوں پھرے پر
سحری کے لئے دکھاتے ہوں نقل بادام دیدہ اختار
شام کے وقت پھر افطاری نمک بخت شور پیہں نظر
قدح آب کی جگہ موجود خوب لبریز آنکھوں کے ساغر
تلخ کامی اگر نہ زہر ملاے جان شہریں کو کھاؤں جائے شکر

نذر عید قربان

قصر جاں پرور ہے باغ دلکشائے صبح عید دامن دولت سے آتی ہے ہوائے صبح عید
تہنیت دیتی ہے ہر دم ہلدلہب نغمہ سلج ہے زبان برگ گل پر ماجراے صبح عید
دلکشا گلہاں اگر دیکھے مہمان دامہور کوچہ چاک گرد پیاں بھول جائے صبح عید

قید کے حالات میں

فرخ آباد اور یساران شفق چھت گئے سب گردن نقدیر سے
آئے باندے مہن مقہد ہو کے ہم سو طرح کی ذلت و تحقیر سے
کوٹھری تاریک پائی مثل قہر تلگ کر نہی حلقہ زنجیر سے
پہر الہ آباد مہن بھجوا دیا ظلم سے ' تلہس سے ' نریر سے
جو الہ آباد مہن گذرے ستم ہون فزوں ' تقدیر سے تھیر سے
پہر ہوئے کلکتے کو پھدل رواں کرتے پڑتے پانوؤں کی زنجیر سے
ہتکڑی ہاتھوں مہن پھڑی پانوؤں مہن ناتواں تر قہس کی تصویر سے
سوے مشرق لائے مغرب سے ، جھے تھی عرض تقدیر کو تشہیر سے

قلم تارنم

مدراس مہن غلام نہی جب ہوے اسور گھر اُن کو کلج خانہ آفت مہن مل گھا
از بسکہ مہن وہ اہل مروت مہن نامدار یہ زہر تلخ مہن کے شربت مہن مل گھا
سب دوستوں کو ونج ہوا اُن کی قہد کا لطف سرور خاک مصیبت مہن مل گھا
مدراس سے وہ آگئے جب اندھن مہن گویا مقام گوشہ راحت مہن مل گھا
والد تھے اُن کے مود خدا شیخ معنی دیں یہ ونج اُن کو ضعف کی کثرت مہن مل گھا
بہتے کے دیکھتے کو وہ ائے جہاز پر فرزند اُنہوں جزیرہ تربت مہن مل گھا
اس غم مہن جب یہاں سے گئے مولیوں کو جسم لطیف خاک کدورت مہن مل گھا
فرط غم و الم مہن گئے جانب عدم آرام اُن کو گوشہ تربت مہن مل گھا
تاریخ اُن کی مرگ کی کہ دی " ملہر " نے
" دیکھو مقام گلشن جلت مہن مل گھا "

بادشاہ سے خطاب

ہو ترقی شکوہ حضرت کی
یہی واجب ہوا ہے حضرت پر
دیتے ہیں بادشاہ سب کی داد
یہی دستور ہے ، قصور معاف
آپ جو چاہیں ہم سے لیں خدمت
جب رعیت کو بادشاہ ستائے
ملک و دولت کو صاف کھو بیٹھے
لاہ حیلوں سے زر رعیت کا
کب عدالت پناہ کہلائے
قطعہ سعدی کا ہے بہت مشہور
بادشہ پاسبان درویش است
گوسفند از برای چوپاں نہست
کہا مہ ظالم کی سلطنت میں امان؟
نہ کلد چور پیشہ ، سلطانی

عدل و انصاف ، عمر و دولت کی
رہے انصاف کی ہمیشہ فطر
کہ رعیت ہے صورت اولاد
ہم اطاعت کریں حضور انصاف
پرورش کی مگر رہے نہت
ستھاناس جائے چون نہ پائے
بادشاہت کو اپنی رو بیٹھے
لوٹے جو بادشاہ بے پروا
بلکہ وہ روسواہ کہلائے
عرض کرتی ہے یہ کلہوڑ حضور
گرچہ نعمت بغیر دولت اوست
بلکہ چوپاں ہرے خدمت اوست
بھڑیا بھڑوں کا ہے دشمن جاں
کہ نہاید ز گرگ چوپانی

رباعی

عالم اسیری میں

غربت میں وطن خانہ بدوشوں کو ملا
زہر غربت شکر فروشوں کو ملا
جب تخت چکر کھا کے لگی پیاس ”ملہر“
کالا پانی سفید پوشوں کو ملا

قطعہ

نواب احمد حسین خاں ”سالک“ کی مدح میں

ازل کے دن سے نہیں بے علاقہ کوئی شے
اگر ملا سخت تلخ کو ملاہل کا
شراب آب بقا بہر سافر ظلمات
پے طواف حرم اعلیٰ قبلہ سامی ہیں
تلاش معلیٰ روشن ہرے طبع ملہر

چمک ہے بہر قمر چاک ڈال کتیاں کے لیے
بنی حلاوت جاں لذت بیاں کے لیے
مسیح و خضر ہلے عمر جاوداں کے لیے
برہمنوں کی جہیں سجدہ بتاں کے لیے
”ملہر“ مدحت احمد حسین خاں کے لیے

شام سے حال ہے بیمار وفا کا کچھ اور
 دیکھتے جاؤ، ابھی تا بہ سحر کھا ہوگا
 وصل کی رات گئی، صبح کے آثار ہیں صاف
 دل بچھا جانا ہے اے شمع سحر! کھا ہوگا

زلف ساقی نے جو بکھرائی تو دریا چڑھ گئے وہ کھا زائد، دعاے ابر رحمت مانگتا
 آغاز ہی میں عشق، یہاں کار گر ہوا میں کشتہ معاملہ یک نظر ہوا
 آئے وہ اور ایسا جہاں سے سفر ہوا کوا خرب اتفاق قضا و قدر ہوا

خدا ہے، دیکھتے کھا پھل ملے اس عشق بازی کا
 بہت نشو و نما پر اب تو نخل آرزو آیا
 ہمیں خربوں سے آفتاب ہے، تجھے منظور نظار
 ہم آئی دل سے یاں ایسے شہنشاہ اور آنکھوں سے تو آیا

ایک بچہ ملی، ابھی کوا گئی آنکھوں میں (الاسار) وزن دیوار سے کس نے جہانکا
 آیا قریب صبح ہو وہ آفتاب حسن نفسا نکا چرائی شب انتظار کا
 جوشش شوق شب وصل میں دشمن تھہری رنگ آئی ہے مری آرزوے دل کوا کھا
 جستجو میں تری تھک تھک گئے چلنے والے پادو پھلانے پڑے ہیں سو ملنا کھا کھا

ایسا دشمن میں ہوا آپ، نصبت میں "سفیر"
 کیوں نہ ہو خود مریے عاتقوں میں گریباں مہرا
 وہ کہتے ہو گئے جانے کو، قیامت آئی بزم استیجاب یہ عالم ہے صف محشر کا

یاں جس کو دیکھتے نظر آنا ہے کج نگاہ
 اُن کی نظر کی طرح پتہ را ہے زمانہ کھا
 سب کو تو بے خودی میں نہیں ہے خیال کچھ
 دل بھی ہوا ہے ساتھ تہہ سارے روانہ کھا

جنگل میں بھی گئے، نہ چھپا وحشیوں سے عشق
 کچھ پردہ پوش، دامن صحرانہ ہو سکا

صفیر

سید فرزند احمد "صفیر" سید احمد کے بیٹے بلگرام کے رہنے والے ۱۲۲۹ھ میں پیدا ہوئے۔ بچپن ہی میں اپنے والد کے ہمراہ آٹھ شاعراں کے آئے جہاں عرصے تک قیام رہا۔ ابتدا میں سید محمد مہدی "خبر" بلگرامی اور پھر شوخ امان علی "سحر" سے اصلاح لیتے تھے۔ مرتبہ میں "دیور" سے اور فارسی میں "غالب" سے مشورہ کرتے تھے۔ پہلا دیوان "صفیر بلبل" ۱۲۸۰ھ میں اور دوسرا "خمنانہ صفیر" لکھنؤ سے ۱۲۹۸ھ میں شائع ہوا۔ ان کے علاوہ متعدد کتابیں تصنیف و تالیف کیں [۱] جن میں سے قصہ پرستان خیالی، مثنوی اعجاز کلیم اور تذکرہ جلوۂ خضر مشہور ہیں۔ ۱۳۰۷ھ میں وفات پائی [۲]۔

کلام اکثر عاشقانہ ہے اور اُس میں "ناسخ" کی آورد کا رنگ صاف محسوس ہوتا ہے۔ صحت زبان کا بھی خیال رکھتے ہیں۔

غزلیات

کلیم وقت میں ہم طور معنی ہے مکان اپنا
لقب لکنت کے باعث ہو گیا معجز بیباں اپنا
خموشی سب کی باتیں ہم کو سلواتی ہے فرقت میں
بہلتا ہے یونہیوں دل بے ترے اے جانِ جاں اپنا
توجہ سے تری سامان ہوا ہے وحشت دل کا
جلوں، تیرے قدم سے سلسلہ نکلا سلسل کا
نہ سمجھا مہری بوٹائی کو جب ناداں کسی صورت
تو اُس کا ہانہ رکھ کر کہ دیا یہ حال ہے دل کا

[۱]—تذکرہ جلوۂ خضر - [۲]—سنتن شعرا ص ۲۸۳ و تذکرہ آب بقا ص ۸۳ -

بمانہ نہ ترک محبت کے واسطے ، ناصح ، ریاضت ایک یہی صبر بھر کی ہے
 سات گل و لالہ کیا پوچھتے ہو ؟ اُڑے رنگ ہو کر چمن کیسے کیسے
 بپ ملسے ہیں یہ غہروں کی بلنائی ہاتھوں ، پردہ اُٹھ جائے تو جانو کہ محبت ہے کسے
 ہری ہی چشم مست کا پیمانہ چاہوے ، ساقی مجھے تو لغزش مستانہ چاہوے
 بھر ”صفور“ کی لانا کوئی ، خدا جانے کہ اُس فریب پہ کیا کوئے یار مہن گذری
 حجام اپنا خاک نہ سمجھے ہم ، اے فلک ، دنیا مہن خاک چہان کے متی خراب کی
 تبسم سے ، تکلم سے ، حیا سے : مجھے مارا بھی تو کس کس ادا سے
 بگو ، ساری خدائی ہم کو ملے ، جو انلی التجا کرتے خدا سے
 بام مرگ ، اے اجل کہاں تک ؟ کبھی قدم رنجہ کر یہاں تک
 فغاں سے [۱] اب تھک گئی زباں تک ، خموش کب تک جہا کریں گے

دنیا میں ہیں گو مدم کے ساکن، رخ ہے سوئے وطن ہمیشہ

لاکھ فہروں میں کیا تو نے مجھی کو انتخاب
ظلم پر تھرے مجھے ناز، اے ستم ایجاد ہے

وہ ہنستے ہیں میرے رونے پہ میں روتا ہوں ہلستے پر :
لبوں میں اُن کے بجلی ہے مری آنکھوں میں بال ہے

ہر دم صدا یہی ہے ترے داد خواہ کی مارا نظر نے رہ گئی حسرت نگاہ کی

کیا اُس سے کہوں جو میں کہے، ہاے : سمجھنا سمجھنا جو مدعا ہے ؟
تو مجھ سے اگر پھرا، تو کہا ہے ؟ اے بت، بلدے کا یہی خدا ہے

شب فراق میں دست چٹوں سے لہجہ کلام : بغیر چاک کوریاں سحر نہیں ہوتی
یہ آسرا ہے کہ پھر کر تو دیکھ لے شاید : قری نگاہ سے قطع نظر نہیں ہوتی

تو نے کلکشت جو موقوف کیا، اے کل تر، پھول مرجھائے چلے آتے ہیں گلزاروں سے
سمجھ کے شہختہ ہم سے کلام کرتے ہیں خدا ہمیشہ رکھے بات حسن والوں کی

یہ کس خطا پہ کہا آپ نے شہود ہمیں ؟
جواب کہا ہے، جو کوئی سوال کر بھیجے ؟

مذہ بوسے کا مشتاق ہے، بیدار کی آنکھوں :
دیکھوں تو مری جان نکلتی ہے کدھر سے

نہیں کہہ سکتے کچھ ہم حشر کے روز تمہارا مذہ خدا کا سامنا ہے

کچھ نہ دیکھا تجھ، دیکھا بھی جو موسیٰ کی طرح :
رہ گئی پردہ دیدار میں، حسرت مہری
اے فلک، بلدہ بھدام محمدؐ ہے ”صفور“ :
پوچھ لے میرے خریدار سے قیمت مہری

شرارت نوی، آنکھ کا تل ہوئی : چھا بن کے آنکھوں میں داخل ہوئی
صحت کی درپہیں منزل ہوئی، بگولوں میں خاک اپنی شامل ہوئی

رسی تو جلی ' مگر دھا ہل : کاکل سے نہ پہچ و لب نکلا
اچھا ہوا ' اور آئینہ دیکھ : لے ' گھر میں ترا جواب نکلا

ہوگیا ابرو کی سنائی سے شہرہ یار کا
کام کرجائے سپاہی ' نام ہو سردار کا
زلف و مڑگاں دیکھ کر یاد آگیا دشت جلوس
وہ اندھیری رات وہ تلوں میں چھلنا خار کا
"قدر" کہا اصلاح "قالب" سے مری شہوت ہوئی
وہ مثل ہے : ہارہ کاٹے نام ہو تلوار کا

اک کف خاک سے دیکھی تری صنعت کھا کھا
مورچہ کوئی ہلکا ' کوئی سلیمان ہوا
ہجر نے ' موت نے ' یا ناز و ادا نے ' مارا
انہوں دو چار میں ایک آدھ کا احسان ہوا

اُس پر کہیں نماز میں گلاب نہ پھٹ پڑے
واعظ نے تور ڈالا ہے مٹکا شراب کا
آب حیات و چشمہ خورشید گرد ہو
دیکھیں جو رنگ ' خضر و مسیحا شراب کا

تم سے بچا جو نور ' ہوئی روشنی شمع
مجھ سے بچی جو خاک تو پروانہ ہو گیا
شکل دوئی پسند نہیں ' مہری آنکھ کو
تھکا جو اشک ' گوہر یکدانہ ہو کھا
بلبل کی روح کھا مرے تن میں سمائی ہے
جب آگئی بہار ' میں دیوانہ ہو کھا

ہے ورد اپنا ' سحر کو نالہ و فریاد کر لہنا
بہر صورت کسی پردے میں تجھ کو یاد کر لہنا

نہیں جلت نہ سہی ' خور جہلم ہی سہی
اندا تھوڑا ہے ' مجھ تو کسی قابل سمجھا !

قدر

غلام حسنین ”قدر“ سہد خلف علی کے بھائی ۱۲۳۹ھ میں بلگرام میں پیدا ہوئے۔ واجد علی شاہ کے زمانے میں لکھنؤ آئے۔ ابتدا میں امان علی ”سحر“ اور مرزا محمد رضا ”برق“ کے شاگرد ہوئے پھر امداد علی ”بھر“ سے اصلاح لی۔ قدر کے بعد لکھنؤ سے دلی آئے اور ”غالب“ کو اپنا کلام دکھانے لگے۔ آخر میں حیدرآباد میں چار سو روپے ماہوار کے ملازم ہوئے لیکن اب وہاں موافق نہ آئی، اس لئے لکھنؤ واپس آئے اور اسی سال ۱۳۰۱ھ میں وفات پائی۔ [۱]

”قدر“ ہندی زبان سے واقف تھے اور ہندی عروض (پنگل) بھی خوب جانتے تھے۔ ان کا حافظہ قوی تھا، اور طبیعت ہمہ گیر پائی تھی۔ اردو غزلوں میں سادگی، شوخی، رنگینی اور قصائد میں روانی پائی جاتی ہے۔ زبان کی شستگی اور محاورے کی صحت ان کے کلام کا طرۂ امتیاز ہے۔

غزلیات

منہ فقی ہو سحر بن کر، جس سے شب امکاں کا
وہ مہر قہامت ہے، مطلع مرے دیواں کا
اک طرفہ رقم میں تھا، دونوں نے کیا ساچھا
آلند نے مجھے پرکھا، رحمت نے مجھے آنکا

خیم سے جام شہراب نکلا	کھسار سے آفتاب نکلا
دور دور، دور دور، کلوم دور دور	وہ ہام پہ بے نقاب نکلا
فہن کھا کے گرا میں، شعلہ طور!	ہارے، تھرا حصاب نکلا

اُلت کے دفتر ہر آسماں کا ، کیا رخ آئوں نے لامکاں کا
 پڑا رہا شورِ الاماں کا ، دھرا رہا غل کہاں کہاں کا
 عدم کی ہستی کا میں مکین ہوں ، بقا جہاں ہوں فلا وہیں ہوں
 ہزار اُتھوں میں تو کچھ نہیں ہوں غبار ہوں صحنِ لامکاں کا
 فقط نہ سہلہ ہی توڑ کافر جگر بھی حاضر ہے دل بھی حاضر
 بتا تو اے تھر عشق ، آخر ترا ارادہ ہے اب کہاں کا ؟
 ہزار نلے کروں تو کہا ہے ؟ کہیں سماعت بھی یا خدا ہے ؟
 شوالے میں سلکھ پھلک رہا ہے تو شور کعبے میں ہے اذان کا
 جو پھس ڈالے مکتبتِ ثل ، رہا نہ ہو دامنِ توسل
 جو خاک ہو جائے جسمِ بلبل ، غبار ہو صحنِ بوستاں کا
 وہ برق طور تجلی آرا ، کلم نے جس سے دم نہ مارا ،
 بجھا ہوا تھا کوئی شدارا حضور کے سلکِ آستان کا

نہ بھاگ عسرت سے امتحان میں وہ عینِ عشوت ہے اس جہاں میں
 سنا ہے زندانِ مومنان میں مزا ہے کنار کے جہاں کا
 چٹھوں سمجھتے ہیں لوگ تارے ، وہ چھوٹ ہیں وارِ پادِ سارے
 یہ ہم نے آئوں کے تھر مارے کہ سہلہ چھلنی ہے آسماں کا

اُلت دیا وہ طبقِ زمیں کا پتا نہیں چرخِ ہفتہ میں کا
 برا ہو آہِ دلِ حزیں کا کہ مجھ کو رکھا نہیں کہوں کا
 کلم تم نے نہ اُس کی مائی تو غش میں واجب تھی تابلاسی
 جو چھوڑی تھی بحثِ لنِ قرانی ، جواب دینا تھا ہاں نہیں کا
 کہلا وہ باغِ خللِ ہوکر ، بسا سر طورِ نخلِ اخضر
 ہوا سے چھو کر گرا زمیں پر ، جو ایک بھول آہِ آنشیں کا

توڑے مہکدے سے ساقی ہمیں نا اُمید جائوں ؟
 جو کوئی یہاں سے نکلا وہ پوے شراب نکلا

دورِ ساغر ہم تلک پہنچا نہ ساقی ، یا نصیب !
 جاتا ہے مشرق سے مغرب تک ہر ابرِ آفتاب

یہ تو کہتے نہیں ہم حشر کا دن چھوٹا ہے
پر ہماری شبِ فرقت کے برابر نہ ہوا

اضطرابِ دشتِ پیمائی نہ چھوٹے گا کبھی
خاک ہوگا جب بدن ، دیگ رواں ہو جائے گا
اُس کی اس نامہربانی پر تو میں دیتا ہوں جان
کہا قیامت ہوگی ، جب وہ مہرباں ہو جائے گا

اُمّے لحد پر آج بڑا حوصلہ کیا اللہ ، کیا حضور نے خوفِ خدا کیا
اے یاد! آنکھ لڑتے ہی برما گئی نگاہ آنکھوں سے خون ہو کے کلوہچا بہا کیا
اشکِ گرم آنکھ سے نکلے جو بڑھی سوزِ دل ہم نے چلتا ہوا تڈور اُبلتے دیکھا
سائے کے لہے ابرِ سمہ چھو کر آیا جب قصد ہوا جانبِ مہتابِ ہمارا
یہ کہ کہ کے سمجھاتے رہتے ہیں دل کو جو بھولے ہمیں ، اُس کو کیا یاد رکھنا
دامنِ رحمتِ باری میں چھپا مہرا راز میں ہوا اشکِ فشاں ، ہو گئی مشہور گھٹنا
یا آلہی یونہی سر سبز رہے باغِ مراد زیرِ انگور ہوں مہکے ، سرِ انگور گھٹنا

اشکِ اُمّے ہجر میں جب آہ کی برق چمکی اور بادل کھر گھا
کھر عدم ہے ، یہ جہاں ہے سہر گاہ ہر کوئی دم بھر کو آیا ، پھر گھا
کہا عجب ، اے ”قدر“ دن پھرے مرے
جس کے فرمانے سے سورج پھر گھا

تم نے مکھڑے پہ جو گھسوے پریشاں چھوڑا
کالا پردہ در کعبہ پہ مری جاں ! چھوڑا
ہاے اِس موت نے ویران گھا کس کس کو
کوہ ، فرہاد نے ، مجلوں نے بھابھاں چھوڑا
دیر و مسجد میں ترا ذکر ہے اللہ اللہ !
حسنِ الطاف نے ہلندو نہ مسلمان چھوڑا

ہو سکتی نہیں دل شکنی مجھ سے کسی کی
کعبہ تو مسلمان سے ڈھایا نہیں جانا

خشر مہیں اشکِ ندامت نے بڑا کام کیا نکل آیا مرے اعمال کا گودا کافد

گردن شیشہ جھکا دے مرے پیمانے پر
ہن پرستا رہے ساقی ' ترے مہٹانے پر
دمشاق آتا ہے لہجہ جھکا دے ساقی '
تیس دن رال تھکتی نہیں ' پیمانے پر
فص ہوا گردن ساقی پہ ' کبھی آنکھ پہ لوت
کبھی شیشہ پہ گرا مہوں ' کبھی پیمانے پر

کھٹ کر ہلال ہو مہ کامل ضرور سے کامل وہ ہے جو نہ اُٹھائے کمال پر
تو صہد گاہ دہر مہیں غافل ہے کس لئے پہندا لگا ہوا ہے ترے بال بال پر

یہ ابنِ توانیاں ' ہمیں ہرگز نہیں پسند
موسىٰ کو کیا ملا تجھے اک بار دیکھ کر

کیا تجھ کو ملے گا دل دکھا کر کعبہ کو نہ تھا خدا خدا کر
کہتا ہوں کیا ہے تم نے بے ہوش فرماتے ہیں ہوش کی دوا کر
اے صبر رواں ' کہاں گئی تو تلہا! مجھے کور مہیں سلا کر

چاند سورج کو نہ فرماتے کہ " ہذا ربی "
دیکھ پاتے جو خللِ آپ کے پھارے عارض

"قدر" کو ہنکدے مہیں دیکھا ہے اِس مسلمان کا خدا حافظ

دروپہیں ہر کجا کہ شب آمد سراے اوست
کہوں کر نہ زلفِ یار مہیں ہوتا قرار دل
ایسوں کے آئے آتا ہے کوئی جہان مہوں
چہانی پہ اپلی ہے کہ ہوے پردہ دار دل

سوئے جاکر مزار مہیں ہم اب پہنچے مہیں کورے یار مہیں ہم
جب خاک ہوے تو اوج پایا مل مل کر آئے غبار مہیں ہم

جو ہے مرہیں پر دہی فرہں پر کوئی خاص اُس کا مکان نہیں
وہ پہاں بھی ہے وہ وہاں بھی ہے وہ کہیں نہیں وہ کہاں نہیں

بے نام و بے نشان ہیں ' نہ پوچھو ہمارا حال
برگشتہ بخت و بے وطن و خانماں خراب

حسن کو لاکھ ناز ہو ' پھر بھی ہے فوق عشق کو
تم سرِ دل پہ دیکھ لو ' پرہیزہ پائے عبدلہب
عشق کی جب ہوا چلی ' حسن نے سانس تک نہ لی
چٹکی اکر کوئی کلی ' آئی صدائے عبدلہب

سودا ہے تجھے ' قاروں تو نہ ہیں ' کچھ راہ خدا میں صرف بھی کر
یہ پوچھ نہ تجھ سے اُٹھ سکے گا سرِ پیر نہ بہت تو لاد عبث
کہوں لاہ پہ مہری روتے ہیں سب؟ کیوں مفت میں آنکھیں کھوتے ہیں سب؟
چونکوں گا نہ خواب مرگ سے میں ؛ ہے شور عبث ' فریاد عبث
صہاد نے چمن میں نفس لاکے رکھ دیا کیا پوچھتے ہو مرغ گرفتار کا مزاج
ملکت کس مسدود نہ ہوگا وہ حشر تک ہے عرش پر حضور کے بھمار کا مزاج

مقصود ' تیری دار مبارک دے تجھے
اپنا تو سر ہوا سرِ نوک سناں بلند
یہ ضبط عشق ہے کہ نہ نکلے گی ملہ سے آہ
ایسے جلیں گے ہم کہ نہ ہوگا دھواں بلند

مرمہائی تھی کیا وہ چشم سہاہ کہو دیا دل کا ایک نظر میں ' درد

میں کیا کہوں ' کسم آئے گا اعتبار اُس کا
بہت کچھ آنکھوں سے دیکھا ہے خواب کے مانند

قہر ٹھکرا کے مری ' کہتے ہیں کس ناز سے وہ
تمہیں بے چہن تھے ' اللہ دے آرام پسند ؟

ہلڈو چشم کجا ' مصدق رخسار کجا
کفر کے تحت میں ہم کو نہیں اسلام ' پسند
رمزِ آفت سے نہیں دست و زبان کو مطلب
کہوں کریں رسم و راہ نامہ و پھغام پسند

پشت مسجد کی ہے کعبہ کی طرف اے واعظ
کھل کیا حال وہ راست کا سارا ہم کو

حالت تو دیکھ مردم چشم سہاہ کی _____ پھانسی گئے میں پڑ گئی تار نگاہ کی
واعظ خبر اُڑاتا ہے مرہں آلہ کی _____ چھت کر پڑے نہ سر پہ کہیں خانقاہ کی
اے ”قدر“ تم بھی کٹے خوشامد پسند ہو
دل اُن کو دے دیا جو زرا واہ واہ کی

شمار میں نہیں موجوں جہان فانی کی _____ جلدوں ہے اُسے لہریں گئے جو پانی کی
سنبھ گیا ہوں معمّا تری خموشی کا _____ وہ بات ہو کہ دھن نا پدید ہو جائے

تعلقات جہاں سے چھتے ہیں مرتد میں
سفر تمام ہوا آج اپنے گھر آئے
جو آنکھ ہو تو جہاں آفریں جہان میں ہے
اِس آئے میں سکندر کا ملکہ نظر آئے

ملکسر ہوتے ہیں ہلر والے _____ نخل جھک جاتے ہیں ثمر والے
حق کہو تلخ، جھوت بولو گناہ _____ بس خموشی سخن سے بہتر ہے

ہوئے کارواں سے جدا جو ہم، رہ عاشقی میں فلا ہوے
جو گدے تو نقش قدم بلے، جو اُٹھ تو ہانگ درا ہوے
کبھی داغ کھاتے ہی آہ کی، کبھی آہ کرتے ہی رو دیے
کبھی ہم چمن کی ہوا ہوے، کبھی ہم ہوا کی کھٹا ہوے
ہوا فل عدم میں وہ ناکہاں کہ ملائی یاروں میں ہاں میں ہاں
اُٹھ ہم تو مست الست اُٹھ، جو بڑھ تو گن کی صدا ہوے
جو لہو تھا اُس میں بھرا ہوا، تو ہر ایک زخم ہرا ہوا
یہ دل و جگر مرے کیا ہوے؟ کوئی تازہ ہوگ حلا ہوے
انہیں تنگیوں میں فشار ہے کہ تھیں میں جسم نزار ہے
یہ قدس میں طائر باغ کھا کوئی مرغ قبلہ نما ہوے

میں وہ سرو باغ وجود ہوں میں وہ گل ہوں شمع حیات کا
 جسے فصل گل کی خوشی نہیں جسے رنج باد خزاں نہیں
 مجھے کہا جو شور نشور ہو یہیں پوچھ لو جو ضرور ہو
 میں لحد سے اُٹھ کے چلوں وہاں مجھے اتنی تاب و توان نہیں
 جو سمجھ گیا وہ سمجھ گیا جو بھک گیا وہ بھک گیا
 کہ مجھ ہی حال ہے گو مگو وہ نہاں نہیں وہ عیاں نہیں
 ہوئیں زرد زرد جو پتھیاں یہ بھی اک طرح کی بہار ہے
 میں بسنت اس کو سمجھتا ہوں یہ چمن میں فصل خزاں نہیں

تجہ میں عالم ہے فنا عالم میں تو موجود ہے
 جس طرح گوہر میں ہو آب اور گوہر آب میں

دکھلاؤں میں تجھ کو گل و بلبل کا تماشا
 چل تو سہی اے وعدہ فراموش چمن میں

بے مشقت کام دنیا کا ہوا حاصل کہاں؟
 مل گیا غواص کو گوہر لب ساحل کہاں؟

رہے ہیں عالم ذرات میں ہم ناتواں برسوں
 بلایا ہے ہمیں جب کو چکے ہیں امتحان برسوں
 ”بلی“ کہ کر بلا کا نشہ ہم کو چوہہ گیا یا رب
 نہ آئے ہوئی میں ہم مست جام کن فکن برسوں
 دھوں گا جام کرثر سے نہ خالی ہاتھ اے واعظ
 کہ ان ہاتھوں سے کی ہے خدمت پھرمغاں برسوں

دل رخ سے آر کے پہنچا گیسوے پر شکن میں
 کہہ رہا ہے اُٹھ کر داخل ہوا ختن میں
 جو لن ترانہاں میں پوری کہانیاں ہیں
 خالق پکارتا ہے خلقت کے پورہن میں

آتا ہے زلزلہ تو یہ کہتا ہوں دل سے میں
 تھری طرح تھاں کوئی زور زمیں نہ ہو

اشک سے اُگڑ سیلچھیں، باغ طالب دیدار
شاخ مہوں جو گل نکلے روے یار ہو جائے

غزل مسلسل

جو عفو باطنِ خدا بذاتا، تو ہم دل بے قرار ہوتے
جو عفو ظاہرِ خدا بذاتا، تو دیدۂ اشکبار ہوتے
جو نقشِ ہم کو خدا بذاتا تو بلتے ہم نقشِ نامرادی
غبارِ ہم کو خدا بذاتا، تو اپنے دل کا غبار ہوتے
خدا کسی کے گلے لگاتا، تو پوتے اپنے گلے اُلجھ کر
خدا کسی کا جو ہار کرتا، گلے کا اپنے ہی ہار ہوتے
خدا ہمارے جو پر لگانا تو شب کو پروانہ بن کے چلتے
خدا جو نقشِ ہمیں سکھاتا، تو دن کو نالائِ ہزار ہوتے
خدا کسی کا چاہس کرتا، تو ہوتے غمِ خوار ہم غصہ کے
خدا کسی کا انیس کرتا، تو قہر کے غمگسار ہوتے
غرض کہ ایسا مصیبتوں کا ہمارے دل کو مڑا پڑا ہے
کہ ”قدر“ ہم کو خدا بذاتا، تو ہم ذلول اور خوار ہوتے

قصائد

مدح میرِ محبوب علی خان، شاہ دکن

باغ پر آج گھٹا توپ اُٹھا ہے بادل
خسرو بادِ بہاری کا کھنچا دل بادل
اہر خیمہ ہے تو بوندیں ہیں طلماب خیمہ
چوب خیمہ ہے دھلک، سبزہ ہے فرشِ مختل
جھک پڑی کالی گھٹا، دن ہوا بوسات کی رات
سب کو ہر پھر کے دکھا جانی بے بجلی، مشعل
باغ مہوں چاروں طرف آگ لگائی گل نے
سبز جہازوں پہ گلستاں مہوں چڑھے لال کنول
قہقہہ مار کے گل کہتے ہیں ”سبحان اللہ“ !
”بارک اللہ“ ہے پتوں کی زہاں پر ہر پل

جو نگہ ہے چشم سیاہ میں وہی برق طور ہے راہ میں
 تری آنکھ پر جو فدا ہوئے وہ شہید راہ خدا ہوئے
 بلکہ ”قدر“ ایسے فہار ہم‘ ہوئے گردشوں میں وہ خوار ہم
 کہ مثال دائرۂ فلک جو اُتھے تو بے سر و پا ہوئے

باغ سے جب ہوا چلی مہکدے سے گھٹا چلی
 دل کی کلی کھلا چلی دل کی لگی بجھا چلی
 راہ دے دروۂ شراب خانقہوں ہوئیں خراب
 جہوم دھے ہوں شہیخ و شاب‘ اب کے عجب ہوا چلی

ساقی کہے‘ تو دم نہ کوئی بادۂ خوار لے واعظ کی پکڑی کیا کہ کفن تک اُتار لے
 ساقی جو چھاندا ہو مے سرخ سرخ کو واعظ کا سبز سبز عمامہ اُتار لے
 مثال اُٹلے‘ ہم سب سے ہوں صاف جو دل میں بات ہے‘ ملکہ پر وہی ہے

کھر کے مثل‘ نہ ثابت کبھی حباب رہے
 جہاں میں سر جو اُٹھائے وہی خراب رہے

کھودا ہے دوے یار کو زلف دراز نے قرآن اُٹھا لیا ہے بڑے جلساز نے
 ہم نے جھولی ہوں‘ ہنجر کی راتوں حشر‘ اے واعظو‘ بلا کھا ہے !
 مہرے پہلو میں دل ہوا نہ ہوا آپ کا اِس میں مدعا کیا ہے ؟
 ہو گئے لاکھوں خداوند آج کل نام کو کھر کھر خدائی ہو گئی
 دیتا ہے روز حشر یہ رندوں کو دھمکیاں واعظ‘ زبان روک ! ابھی دلی دوو ہے

اے ”قدر“ اُن کو ظلم دیا حق نے‘ ہم کو صبر
 ہر بات ہے حکیم کی حکمت بھری ہوئی
 اُمید‘ مغفرت کی‘ سہہ کاریوں میں ہے
 کالی گھٹا میں دیکھی ہے رحمت بھری ہوئی

ہم اگر تھامت میں‘ جم کے تکتی باندھیں
 اُتھاپ معشر بھی‘ روے یار ہو جائے

جو یونہیوں پہولتی پہولتی رہی گلشن میں بہار
جو یونہیوں نامیہ کرتا رہا ہر عقدہ ، حل
کیا تعجب ہے جو گولر میں نکل آئے پہول
کیا تعجب ہے اگر سرور میں آجائے پہول
کیا تعجب ہے کہ پتھر میں نمو پیدا ہو
خاک سے چرخ کی جانب کو چلے بلند ہوا چل

ہے یہ گھنگھور گھٹا ہاتھوں کا دل بادل
بجلی بن دھوم سے چنگل میں ملنا ملنا
کالے بادل جو دے پانو چلے جاتے ہیں
پے صدا پانو یہ دھرتی ہے زمیں پر ہر پل
کہیں بادل کی گرج سے بھی زمیں ہلتی ہے
اِس کی چنگھار سے ہوتی ہے فلک کو ہل چل
پہلے ہم عرش کی زنجیر سلما کرتے تھے
دیکھ کر سوند میں زنجیر ، وہ عقدہ ہوا حل
لے کے یہ سوند میں پانی کو ، آرائے جو بھہار
سارے عالم کو نظر آئے برستا بادل
ہیں عمارت میں مرے قبیلۂ عالم جو سوار
پوشش کعبہ سیہ ہے نہیں ہاتھی کا متصل
تبغ در دست ہوں ہاتھی یہ حضور پر نور
کالے بادل میں چمک جاتی ہے بجلی ہر پل

نہمچہ سہز ہے ، پر خوں میں بہرا جاتا ہے
لال پہولوں میں لدی جاتی ہے اُتھتی کرپل
آب تک خشک ہے کیا قہر ہے تلوار کی آنچ
آنچ اک برق ہے کیا ابر میں دوبا ہے پہول
چرخ پر چڑھ کے جو اُتری تو بلی عید کا چاند
عید قربان کا کیا کام ، مہان مقتل

یوں شرابور ہوں باران بہاری سے سرو
جیسے چوٹی کے شوالے میں چڑے کڈکا جل

کڑی پڑتی ہے درختوں پہ صبا مستانہ
فلجے کہتے ہوں چٹک کر کہ سنبھل دیکھ سنبھل
گل سوسن کو جو تورو تو مرا بخت سیاہ
سرو و شمشاد کو چھانگو تو مرا طول امل
سونگھو ' لالے کو تو یک لخت مرا خون جگر
دیکھو سنبھل کو تو بالکل مری قسمت کا بل
کہا ہی شاداب میں گل ' رنگ چوا پوتا ہے
شاخ گل کہتی ہے بلبل سے کہ لے مہندی مل

شاہد فصل بہاری ہے غضب کی چلچل
کبھی پھولوں سے ہنسی ہے کبھی غلچوں سے چہل
شاخیں جھک جھک پڑیں ' یا شاہد فصل گل نے
ناز سے ڈال لیا سر پہ اُلت کر آنچل

قوت نامہ ہے ' اُتھتی جوانی ہو پل
کہ جوانان چمن آج ہوں کچھ اور ہوں کل
کیا عجب سرو پہ بھڑوئے گردوں تک چمے
کیا عجب گردہں افلاک میں آجائے خمل
کہا عجب لوگ ہتھیلی پہ جمالیں سوسوں
کہا عجب ہاتھ کے تل سے کوئی پھوٹے ' کوپل
کہا عجب رشق زنار سے بھلیں پھیلیں
کہا عجب دانگ سبھ سے اُٹے ' نکل امل
کہا عجب روح شہیداں بھی پے دید بہار
خاک سے بھر بھرتی کی طرح آئے نکل
بافہان چمستاں کا ہے گردوں پہ دماغ
مجھ کو تر ہے کہیں دھواں سے نہ ہو رد و بدل
سبزہ شمشاد سے ' شمشاد ہے طوبی سے بلند
جائے طوبی نہ کہیں عرش کے اُس پار نکل

نشے میں چور ہوں چھپتے نہیں اسرارِ دلی
دل میں جو آتا ہے آتا ہے زبان پر فرور

راجا محمد امیر حسن خان، والی ریاست معبود آباد کی مدح میں

چمن کا بیٹا ہے، کلہوں کا ہو گیا انہار
بدل کو آئی ہے مشاطہ صبا، جوڑا
دھڑی جمائے ہوئے سوسن اپنے ہونٹوں پر
کلوں کے چہرے پر افشاں چلی ہے شہلم نے
بلدھا عروس بہاری کے در پہ بلند ہلوار
سفید ابر بھی چھایا تو ہو گیا گلزار
حدا لگائے ہوئے پلچے میں ہے دست چنار
جو غازہ ملتی ہے رخ پر ہوائے فصل بہار

بنی ہے زخمہ ہو اک عذلوب کی مقدار
جہاں پڑی دگ گل پر، بجایا چمن میں ستار
گرچ ہے بادلوں کی، یا کُٹک ہے طبلے کی
جو مور ناچتے ہیں، ہل رہا ہے سب گلزار
لگائی ہے گل شبّونے ملے سے شہنائی
جو پتے ملتے ہیں، جھانچھیں بجاتے ہیں اشجار
بھرے ہوئے ہیں پھالے گلوں کے شہلم سے
پڑی جو شاخ اُنھی جل ترنگ کی جھلکار
ہے اُس بہار میں ایسا چنوں کا جوش و خروش
مثال سلسلہ بجایا اُٹھا چمن کا بخار
یہ حال دیکھ کے صوفی بھی وجد کرتے ہیں
ہوئی ہیں حال سے یہ حال قمریانِ نزار

وہ خاک ہوں جو آرائے ہوائے دھر مجھ
میں آسمان پہ چڑھ جاؤں اُنہ کے مثل غبار
غبار چہرے گردوں، دلیلِ بیدار است
بوس پڑوں ترے دلشن پہ بن کے ابر بہار
تو اُس سے، خلیق ہو سمجھ، زبان کی صورت
خضر کا رنگ ہو پھدا، مسیم کی گفتار

مہاراجا مان سنگھ بہادر کی مدح میں

اُنے بے، سینہ ہوا چرخِ اخضر
اُنے کھکشاں بھی، صورت شاخِ چمن، ہری

میر لائق علی خان، مدارالمنہام کی مدح میں
 ہاں مری طبع رسا ! خاک سے افلاک پہ چڑھ
 ہاں مری فکر بلند ! آج پہنچ کرسی پر
 ہاں مری دست بھاں ! عرش کی زنجیر ہلا
 ہاں مری پائے ثنا ! عرش کے اُس پار تھہر
 ہاں مری شور و متاعلات ! بجھا دے قنکا
 ہاں مری زور خہالات ! جما دے لشکر
 ہاں مری وہم رواں ! اُتھ کے بٹھادے سکھ
 ہاں مری فہم جواں ! بڑھ کے بچھادے منہر
 ہاں بلاغت ! وہ فصاحت سے سدا دے خطبہ
 سن کے ”سودا“ بھی کہے صلّ علی چلا کر
 اُس کی آواز سے گور متعلّیٰ ہل جائے
 ہلد سے تا عرب اک دھوم دے اُتھ پھر
 توغ ہندی جو کھنچے نور کے جوہر چسکھیں
 چوہر، خنجر، روسی کے بجھا دوں تھور

اُس کا شہدیز چھلاوا ہے ، کہ اک تہر نظر
 چاند ہے ، برق جھلکا ہے ، کہ اک باد سحر
 اک دیور ، ایک صبا ، ایک شمال ، ایک جنوب
 دست و پلر چاروں ہیں یہ چار ہوائیں مل کر

مورے ساقی نے مری ملہ سے لکایا ساغر
 مطربو ، مجھ کو سلہالو میں گرا برہط پر
 منہچو ، ہاتھ مرا تھام لو ، دوڑو ! دوڑو !
 خدمت پھر متان میں مجھے پہنچاؤ مگر
 میکشو ، راہ سے اُتھواؤ خم و جام و سبو
 مست ہوں ، مست ہوں ، لگ جائے گی موری تھوکر
 نشہ کھا چھایا کہ آنکھوں میں اندھیرا چھایا
 اب سبہ مست نظر آتا ہے مہکناہ بہر

سب پر نظر ہے ، عہن عنایت ہے آنکھ میں
 سرمے کے بدلے کحل مروت ہے آنکھ میں
 پتلی سیاہ ، مہر محبت ہے آنکھ میں
 تار نگاہ ، رشتہ الفت ہے آنکھ میں
 مد نظر ہے مردم دنیا کی بدتری

تربہنگی چھند

ہے ابرو پہ جوین ، نکھرا گلشن ، آتس دکن ، کجلی بن
 بجلی کی چمک ہے ، گل کی مہک ہے ، دل کی لہک ہے ، یہ سارن
 موروں کی وہ کوکبیں ، رند نہ چوکبیں ، خون نہ تھوکوں ، دل ہو مکن
 پھولوں پہ وہ بلبل سرو پہ صلصل ، عشقہ و سلبل دولہا دولہن

کوئل کی صداؤں ، تھلندی ہوائوں ، اودی گھٹائوں ، من بھائوں
 وہ نور کی نہریں ، نہروں کی لہریں ، نظریں نہ تھہریں ، یہ جائیں
 بجلی کے جگر کو ، نور قمر کو ، موج گہر کو ، ترپانوں
 سبزے کی لہک پر ، گل کی مہک پر ، حوریں فلک پر ، شرمائوں

آباد دُکائ ہے ، پھرمغاں ہے ، ایک سماں ہے ، ساماں ہے
 رندوں کا چلن ہے ، شیشہ مکن ہے ، قہقہہ زن ہے خلدائ ہے
 مستوں کی وہ ہو حق ، غم نہیں مطلق ، جان سے مشفق جاناں ہے
 گو مے نہیں باقی یہ مشاقی ، کہتا ساقی : ہاں ہاں ہے

دفتار بلا ہے ، فتنہ بپا ہے ، غل یہ مچا ہے ، لہنا ہے
 واعظ کی خرابی ، مل کے کبابی ، آئے شرابی ، دنگا ہے
 پکڑی جو سلجھالی ، بڑھ کے اچھالی ، بجتی ہے قالی ، بھاگا ہے
 ہتھ پھیری ہو رندو ، جو ہو وہ ہو ، پلیج کا اب تو دورا ہے

رباعیات

جس روز دم شمار اُتھوں گا میں ، کیا قہر سے بہقوار ، اُتھوں گا مہ
 جب ”امتی“ امتی“ سلوں گا ، اے ”قدر“ ، احمد ، احمد ! ”پکار اُتھوں گا

کہا لالہ زار ہے ' شفیق چرخ چلبری سورج مکھی ہوا گل خوردشہد خاوری
اب کی بہار آئی ہے کھسی مری بھری

طاؤس پھر رہے ہیں خراماں ' چمن چمن
میں پاسبانوں و سنبل و ریتھیں ' چمن چمن
کھسا کھلا ہوا ہے گلستان ' چمن چمن
اب تو ہوا ہے تخت سلیمان ' چمن چمن
بوتے آگے ہیں باغ میں امسال کھا پری

سب صحن باغ ہوگیا ' مہدان کار زار
لالے کی پلندوں نے چمائی الگ ' قطار
ہر شاخ گل ' کہاں ہوئی خم کھا کے ایک بار
پتوں کی نوکوں ہو گئیں ' پھکان آبدار
بن بن گئی ہر اک دگ گل تھری کی سری
ہے آہر بہار کی اب تو خدا کے ہاتھ
پھیرے ہیں باغبان نے کس کس بلا کے ہاتھ
رہ رہ گیا چنار بھی ' اپنے بڑھا کے ہاتھ
پھولے ہوئے ہیں باغ میں موج صبا کے ہاتھ
پتروں کے تھالے ہو گئے پھولوں کی توکری

طائر کھلچا ' تو عرش معلیٰ سے بڑھ گیا
شمشاد اُٹھا ' تو سدرہ و طوبیٰ سے بڑھ گیا
سبزہ چلا ' تو خضر و مسیحیٰ سے بڑھ گیا
سنبھل بڑھا تو زلف چلبہا سے بڑھ گیا
ایک اک کو صحن باغ میں ہے کس قدر چری

حلقے میں پھیل مست ہیں یوں جھومتے کھڑے
جھسے گھٹائوں آتی ہوں ساون میں جھوم کے
چٹکھاریں ہانپوں کی ' وہ مستی ' وہ ولولے
بادل گرج رہے ہیں ' بڑے زور شور سے
اللہ رہے دعب ' کانپتا ہے چرخ چلبری

جوہر

مادھو رام ”جوہر“ لالہ جوہر مل ساہوکار کے بیٹے، فریح آباد کے رہنے والے ”ملیر“ شکوہ آبادی کے شاگرد رشید، مستند اور قادر الکلام شاعر تھے۔ ایک دیوان یادگار ہے۔ اوائل چودھویں صدی ہجری میں وفات پائی۔
کلام دلچسپ، صاف اور سستہ ہے۔ بے تکلف لکھتے ہیں، معاملہ کوئی ان کا خاص طرز ہے جو جدت سے خالی نہیں [۱]۔

غزلیات

جن نگاہوں سے لہا ہے دل شہدا میرا دھونڈتا ہے انہیں تیروں کو کلمہجا میرا
مہ نو، ابروے پر خم، نگہ برگشتہ ہم نے تہوہا جسے دیکھا اُسے خلیجہ جانا
آتی ہے اُس کے کوچے سے آواز درد ناک ہم ہوں کہ دل ہو کوئی تودونوں میں مرگھا
آہوں سے آگ لگا دیں گے دل دشمن میں چھپ کر رہتے ہیں جہاں آپ وہ گھر دیکھ لہا

کہا یاد کر کے دروں کہ کبسا شباب تھا
کچھ بھی نہ تھا، ہوا تھی، کہانی تھی، خواب تھا
اب عطر بھی ملو تو تکلف کی بو کہاں
وہ دن ہوا ہوئے کہ پسینا گلاب تھا
مستعمل نشہیں جب آپ تھے لہلی کے رچہ میں
مستعملوں کے بھہس میں کوئی خانہ خراب تھا
پوری میں ایک ہی سے ہمیشہ رہیں گے دن
وہ اور تھا زمانہ جسے انقلاب تھا
تہرا قصور وار خدا کا گناہ گار
جو کچھ کہ تھا یہی دل خانہ خراب تھا

محبوبوں کا تمام شور ، کس نے دیکھا ؟	فرہاد کا سارا زور ، کس نے دیکھا ؟
اے دل ! جو تڑپ ، تو اُن کے در پر چل کر ؛	ناچا جنگل میں مور ، کس نے دیکھا ؟
گھل گھل کے ہوا ہے جسم سارا ، ممتی	ممتی میں ملا نہ اے خود آرا ، ممتی
کھدوا کے لحد تباہ و پرہاد نہ کر	تو ایامت کا گھر نہ کر ہمارا ، ممتی
اللہ یہ شاکر ہوں ؛ خدا اس کا گواہ	دیتا ہے وہی رزق ، وہی عزت و جاہ
بلندہ بلندوں سے کھسا توقع رکھے ؟	لا حول و لا قوۃ الا باللہ
اپنا مشروب ، نیا نکالا ہم نے ؛	خرقہ ، جُبَّہ ، اُتار ڈالا ہم نے
اے پھر مغاں ، تجھی سے بیعت ہے ہمیں ؛	اے ، اب تو پیٹا ترا پھالا ہم نے
لازم کہ بشر بجز نکوئی نہ کرے	وہ بات کرے کہ شکوا کوئی نہ کرے
ہوتانہیں استخوانِ زباں میں اے "قدر" !	نکعتہ یہ ہے کہ سخت کوئی نہ کرے

گل تو کیا خار وطن بھیجے نہ تجھے مہوں کبھی
دوستوں نے مجھ سے قربت میں سلوک اچھا کیا
اے دل ناداں ' تجھے سمجھائے کوئی کس طرح ؟
تو جو چاہے گا کرے گا اور جو چاہا کیا
رازِ اُلفت اب نہیں چھپتا چھپائے سے مرے
پس چلا جب تک مرا ' ملہ ڈھانپ کر روپا کیا

آنکھیں گل سے مناسب ہے حذر ' اے بلبل ' ہاتھ دکھاتا ہے کوئی ' جان کے ' انگاروں پر

تا صبح تھوڑے ہجڑوں میں ہم گروتھیں بدلا کیے
رکھا ہے تکیہ رات بھر گائے اُدھر ' گائے اُدھر

چار آنکھوں ہوتے ہی برجھی جگر پر چل گئی
بات کچھ ملہ سے نہ نکلی رہ گئے ہم دیکھ کر

ہم سے چھپا کے آنکھ لڑاؤ گئے تم کہاں ؟ سب حال پوچھ لوں گے تہااری نظروں سے ہم
دیکھو عمارتِ آنکھ بھی اپنی نگاہ سے تم کس نظروں سے دیکھتے ہو کس نظر سے ہم

وقت پر چپ رہوں ' معاذ اللہ ! کہنے والے کہیں ہزاروں میں

اپنے مطلب کی محبت رہ گئی ہے آج کل
کہا زمانہ ہے ؟ کسی کا ' اے خدا ' کوئی نہیں

یہ واعظ کیسی بھکی بھکی باتوں ہم سے کرتے ہیں
کہیں چوہ کر شراب عشق کے نشلے اُترتے ہیں

تکلف کے یہ معلیٰ ہیں سمجھ لو بے کلمہ دل کی
مرا کیا جب ہمیں نے یہ کہا تم سے کہ مرتے ہیں

دروشاہِ دال کے لاشے پہ آتے ہوں ملمع
ابھی نہیں گلیوں اُن کی فرور کی باتوں

دھونڈ لیں گے جب کوئی تم سا تہی چوں آئے گا
ہم بھی اپنی فکر میں دھتے ہیں ' کچھ فائل نہیں

دُور؎ سمجھ کے یوں نہ ملا مجھ کو خاک میں
اے آسمان؎ میں بھی کبھی آفتاب تھا

کہا پوچھتا ہے حال؎ دہی دل کی دل ہی میں
کچھ کہتے کہتے نزع میں بھمار رہ گیا

تھہری جو وصل کی تو ہوئی صبح؎ شام سے
بت مہرباں ہوئے تو خدا مہرباں نہ تھا
کہا جانے کس کے دھوکے سے لپٹا لہا مجھ
کہ دوں میں تیرے جی کی: تو اس دم یہاں نہ تھا
کہونکر قسم یہ آج مجھے اعتبار آئے
کس دن خدا تمہارے مرے درمیاں نہ تھا

یاد آتے ہیں جوانی کے مزے پوری میں
آخر ایک روز تو پھوند زمیں ہونا ہے
قدرت اللہ کی؎ تھا وہ بھی زمانا کھسا؟
جامۂ زیست نہا اور پرانا کھسا؟

غیر کے دل کو مےء عشق؎ سمجھ کر دینا
جام کم ظرف ہے؎ ملہ تک نہ کہیں بھر دینا
کہتے پھرتے ہیں یہ کوچے میں پریزادوں کے:
خانہ برباد ہیں؎ رھنے کو کوئی گھر دینا
یار بلندے ہیں محبت کے فقط؎ اے ساقی؎
شیشہ جس دل سے اُسی آنکھ سے ساغر دینا
یہ بھی ہے تھلگ کوئی بادہ کشی کا؎ کیا خوب!
یہ کسی اور کو ملہ پھیر کے ساغر دینا

کعبہ کی تو کیا اصل ہے اُس کوچے کے آگے؟
دردِ دلِ عاشق کی دوا کون کرے گا؟
جلت ہو تو جائے نہ گنہگار تمہارا
سلتے ہیں مسیتھا بھی ہے بھمار تمہارا

اُس نے پھر کر بھی نہ دیکھا؎ میں اُسے دیکھا کیا
دے دیا دل راہ چلتے کو: یہ میں نے کیا کیا؟
دیور و مسجد پر نہیں موقوف کچھ؎ اے غافل؎
ہار کو سجدے سے مطلب ہے؎ کہوں سجدہ کیا

دامن جدا ہے چاک، گریبان جدا ہے چاک _____ کس کو سیوں بتائو، کس کو رتو کریں

بہکی بہکی ہوں اُس کی ہاتھیں "ساتی، ساتی" پکارتا ہو
اُجلی اُجلی سی چاندنی میں گورا گورا بدن کھلا ہو

نہند آنکھوں میں بھری ہے، کہاں رات بھر رہے؟

کس کے نصیب تم نے جگائے، کدھر رہے؟

شب جھسی گزری دن بھی گزر جائے گا مرا

جانوں وہیں حضور جہاں رات بھر رہے

کیا بتائیں مزاج کیسا ہے _____ ہم کہاں، دل کہاں، خدا جانے

یوں تو ملنے دیکھے کی ہوتی ہے مصیبت سب کو

جب میں جانوں کہ مرے بعد مرادیمان رہے

جس کے پامال ہیں کھانوں؟ اُسی کی تھوکر

کہ دیا ہمت کے چل، 'او فتنة مشعر' ہم سے

کیا پوچھتے ہو حسرت دیدار بعد مرگ _____ تا چلدمنتظر مری آنکھوں میں دم رہے

مہرے ہوتے نکمہ قہر رقیبوں کی طرف _____ دیکھو دے دیکھو یہ تھر خطا ہوتا ہے

جان لے کر پھر چلایا تھا تو لازم تھا وصال

کیا خبر تھی متجھ کو دم دے کر خما ہو جانوں کے؟

خط لکھا یار نے رقیبوں کو _____ زندگی نے دیا جواب مجھ

دو ہی دن میں یہ صنم ہوش رہا ہونے لگا
کل کے ترشے ہوئے بت آج خدا ہونے میں
دل میں رہتے جو مرے اور ہی کچھ ہو جاتے
یہ وہ کعبہ ہے کہ بت جس میں خدا ہونے میں

لگے اور بھی میرے گلکوں کے جام دے ساقی ابھی تو یہاں ہمارے بچے نہیں

ضعف میں مجھ کو اُٹھاتے ہیں وہ اپنے در سے
اے غم و یاس پیکرِ مرے بازو دونوں
یہ جاننا ہوں مگر کھا کروں طبیعت کو کہ میرے حرام ہے اے واعظو حلال نہیں

کفر و دین میں ہے خلش برہمن و شہخ سے بیچ
اِس دو راہے میں مسافر کو میں کہتے لاکھوں

زہر بھی کھاتے ہیں سر بھی کاٹتے ہیں عشق میں
اے محبت بے بسی میں لوگ کیا کرتے نہیں؟
ہو گئے ہیں مضطرب پر اب بھی غم کھاتے ہیں روز
آپ کے بیمار پر ہر غذا کرتے نہیں

اپنا دُبتا اُس نے دیا مجھ کو بعد مرگ
ملتا ہے بے نصیب کے ایسا کفن کہاں

جس کو ہوا یہ عارضہ وہ جان سے گیا دیکھے ہیں ہم نے عشق کے بیمار سہکڑوں

آج اے مرگ کھلی ہستی مودوم کی اصل
کچھ سمجھتے تھے ہم اِس شے کو مگر کچھ بھی نہیں

تصور زلف کا ہے اور میں ہوں بلا کا سامنا ہے اور میں ہوں
بُغوں کو کہوں دیا یہ قد و قامت قہامت میں خدا ہے اور میں ہوں

اپنی کہیں کہ اِس دل خانہ خراب کی
اپنی خودی مٹائیں تو پائیں وہ وصال
تم کو جو ہو پسند وہی گفتگو کریں
کہوئیں جو آپ کو وہ تری جستجو کریں
کس سے سوال شہشہ و جام و سہو کریں
پھر مغال تو مست ہے آپ اپنے حال میں

ہمارے دل کو، شکار اُنگلو، ملال نہ دو کہ تھر خوردہ ہے افلاک کی کمانوں کا
کھل کر صفت شمع فلنا ہو گئے اعضا تابوت کا محتاج ہوا مہیں نہ کفن کا
دنیا کی طمع کہوں نہ ہو انسان کو زیادہ اس چاہ کے انداز سے ہے طول، رسن کا

مدح سے کرتے ہیں جاہل کو فلنا خواں مغرور
ہمت کو سجدوں سے بلاتے ہیں برہمن کھسا؟
آشیاں ساتھ ہی لے کر ہے نکلنا بہتر
مہیں گراں، باغ کو جب ہوں تو نشہ من کھسا؟

بلبل یہ رات دن کا چمن مہیں خروں کھا؟
کچھ خہر ہے، کہیں کے تجھے اہل ہوں کھا؟
کھولوں زباں کو شمع کے مانند بزم مہیں،
بہتہوں چراغ کشتہ کی صورت، خموش کھا؟
”کامل“ کے سر مہیں روز ازل سے ہے سوز عشق؛
دکھے گا سر کو وہ سر بالین ہوں کھا؟

اظہار شوق کر نہ سکی گل سے عذلیب گلچوں گھا تو باغ مہیں صہاد آگھا
اک آسمان قازہ پلماتی ہے اُز کے خاک اس کو بھی کھا ساہنڈ ایجاد آگھا
چمکی جواب مہیں ”ارنی“ کے جو برق طور مجھ کو کسی کا چاند سا رخ یاد آگھا
کچھ دیر بے تمہوں کے حلقے مہیں بیٹھ کر
”کامل“ دھان گور مجھے یاد آگھا

ہجر مہیں بالین یہ، اے دل، موت ہی آبیٹھتی
کوئی تو، مہرے تزیئے کا تماشا دیکھتا
اُن کی مرضی تھی کہ خوہں ہوتا جل کے دل کو مہیں
پھونکتا خود اپنے ڈھر کو، خود تماشا دیکھتا

خضر کے مانند خواہاں زندگانی کا نہیں؛
اے اجل، تشنہ مہیں اس دریا کے پانی کا نہیں
درد کو ہمراہ کہوں لانا ہے دل مہیں وہ خدنگ؟
کھا ساہتہ خود اُسے راحت رسانی کا نہیں

کامل

علی مہاں "کامل" محمد آباد گھنا ضلع اعظم گڑھ کے رہنے والے تھے، لکھنؤ میں قیام کر لیا تھا۔ ان کا خاندان محمد آباد سیدواڑے میں بہت مشہور ہے۔ اور علم و فضل کے اعتبار سے ہمیشہ ممتاز رہا۔ ان کو خود اپنے کمال کا احساس تھا اور لکھنؤ کے شعرا ان کے کمال کا اعتراف کرتے تھے۔ کلام کا مجموعہ ان کے امرا کے پاس محمد آباد میں محفوظ ہے۔

"کامل" معمولی مضمون کو بلدش کی خوبی اور ترکوب کی چستی سے بہت بلند کر دیتے ہیں، تازہ مضامین بھی پیدا کرتے ہیں۔

غزلیات

خدا سے مانگ کر روزی، تگ و دو کی اگر تونے
خجیل پائے طلب یا مذلعل دست دعا ہوگا
جیہیں گئے خاک ہم، جب سرگیا دل و نیچ فرقت میں
وہ کشتی کہا بچے گی، غرق جس کا ناخدا ہوگا؟
فقیر اللہ کے، جاؤ نہیں دکھتے تکلف کو؛
وہ دنیا دار ہوں گے جن کے گھر میں بوریا ہوگا
ہماری بلدگی کی قدر اُس کو، اے بتو، ہوگی
ہمارے بعد جو در پر تہارے جہہ سا ہوگا

مدار کار ہے نفخوت پسہ نکتہ دانوں کا :
ہزیز زخم جگر اس سبب سے ہے مجھ کو
مٹائے نقش قدم دھروں نے خوب کہا،
خزاں میں قم شب تہرہ کا بلبلوں نہ کریں
ہوا کے ہاتھ میں دامن ہے بادبانوں کا
کہ یادگار ہے احباب کی زبانوں کا
کہ بھٹکتا بھی تو مشکل تھا ناتوانوں کا
چراغ بن کے جلے گا خس آشیانوں کا

ذاکر

ذاکر علی "ذاکر" شادپور ضلع فتحپور ہسوا کے رہنے والے آگرے کی کمشنری
 مہوں سردشتہ دار اور حاتم علی بیگ "مہر" کے شاگرد تھے - ۱۳۰۴ء کے بعد
 وفات پائی - ان کا دیوان جس کا تاریخی نام "نغمہ بہار" (۱۳۰۳ء) ہے
 مطبع بہار ہند، آگرے مہوں ۱۳۰۴ء میں چھپا - فارسی کا بھی ایک مختصر
 مجہوعہ ان سے یاد گار ہے -

"ذاکر" بڑے پُر گو شاعر تھے - کلام میں سادگی، روانی اور صفائی کا
 ماحصر کم ہے [۱] انداز بیان پاکیزہ ہے - اور تغزل مہوں "ناسخ" کا رنگ
 معلوم نہیں ہوتا بلکہ "آتش" کا گداز موجود ہے -

غزلیات

مہاں آئینہ دل مہوں ہے جلوہ حسن جانان کا
 فہار اپلا ہے فازہ عارض خورشید تابان کا
 کچھ کلام اُن کا نہ شکوا مجھ کو چرخ پھر کا
 آپ مہوں قائل ہوں اپنی خوبی تقدیر کا
 قسمت مہوں جو لکھا ہے ملے گا وہی ہوشک
 یہ حصہ کسی ہوشی کے قابل نہیں ہوتا
 کعبہ دل بت بوہدیں جو ترا گھر ہوتا
 کون پھر تھرے خدا کہلے سے باہر ہوتا

باغ مہں ھے بوئے گل اور دشت مہں ھے نوک خار
سنگ کے دل مہں شرر دریا مہں ھے ماہی کا دام
سرنگوں خلوت مہں ھے اور انجمن مہں سرفراز
مدریے مہں ھے کتاب اور مہر کے مہں ھے حسام

پہلچوں ابھی جو ترک رہ مدعا کروں _____ اس راہ سے ہے منزل مقصود دور کہا
کس درجہ پائمالی کی ہے آرزو مجھے _____ افتادہ ہوں میں صورت تصویر نقہ پا

ناتوانی سے مزا عشق کا حاصل نہ ہوا
میں ترے ناز اُٹھانے کے بھی قابل نہ ہوا

مہکائے کا تو حضرت واعظ نہیں خیال ؟
مسجد میں ایسے بولتے ہیں کہوں بھخبھر سے آپ ؟
جائے نصیب طالع خفتہ شب وصال
سوئے نہ ساری رات جو بزم سحر سے آپ

کہا ہے پست زمانے نے اس قدر مجھ کو
” زمیں بلند ہے نظروں میں آسمان کی طرح “

کہوں نہ ہوں صرف تواضع ، ہمتیں جاں ہو کر ؟
آئی ہے مہری اجل گھر مرے مہمان ہو کر

کہتے ہوں ناز سے وہ دکھ کے قدم مدفن پر
ہے مرے پانوں کا احسان تری گردن پر

کہا سمجھ کر کوئی مرے تجھ پر _____ نہیں چھلے کا اعتبار افسوس

کہا خاک ہو غم دل اندوہ کہیں غلط _____ لکھا نصیب کا بھی ہوا ہے کہیں غلط
دونوں جہاں میں تھرا بھلا عو کہ اے جنوں _____ تھرے ہی دم سے ہے غم دنیا و دین غلط

جواب گریہ شہدم ہے چشم تو مہری _____ تبسم آپ کا ہے انتحاب خلدۃ کل

اندوہ و درد و یاس و غم و حسرت و ملال
کہا کیا نہ ساتھ لے کے چلے اس جہاں سے ہم
ویرانیِ چمن کا نہ صدمہ ہو ، یا نصیب !
مر جائیں کاش پہلے ہی فصلِ خزاں سے ہم
نظروں سے آج اُن کی یکایک اُتر کٹے
رونے کا ہے محفل کہ کرے آسمان سے ہم

یوسف سے کہیں حسن جدا گانہ ہے اُس کا فرق اندا ہے وہ شمع وہ پروانہ ہے اُس کا
لیتا ہے بلائیں دل صد چاک ہمارا اُلجھا ہوا بالوں میں کہاں شانہ ہے اُس کا

کہا تصور ہے تری انجمن آرائی کا ! بزم سے بزم کے ہے گوشہ مری تنہائی کا
جس طرف آنکھ اُٹھاؤں وہی آتا ہے نظر حسن جاناں ہے مستخر مری بھلائی کا

خانہ دل ہے دم سرد سے تھلدا کیسا صورت یاد چلے آئے پردا کیسا
جل مرے فہر جو تم آگ بجھانے آئے ہم نے گھر پور نک کے دیکھا یہ تماشا کیسا

لہا گدائی میں صورت سے اہلی کار زباں چھپا سکی نہ خموشی کبھی سوال اپنا

وہ بت مجھ سے ناحق خفا ہو گیا خدا کی خدائی میں کیا ہو گیا
محبوب الدعا ہو گیا دستگیر بلند اندا دست دھا ہو گیا
کوئی دم میں یہ جائے گا تو ت کر دل درد ملد آہلا ہو گیا
چھڑایا قم زندگی سے مجھے مرض مہرہا مجھ کو دوا ہو گیا

دل میں باقی ہے ابھی دشت نورددی کی موس دل میں باقی ہے ابھی دشت نورددی کی موس
پار قلوں سے نہ ' اے خار بھاپاں ' ہونسا

دے کے خط جان بھی دی ' دل بھی دیا قاصد کو دے کے خط جان بھی دی ' دل بھی دیا قاصد کو
ہم نے اُس آفت جاں کے لئے بھینجا کھا کھا

دشت غربت کے مزے یاد رہیں گے جب تک دشت غربت کے مزے یاد رہیں گے جب تک
دخ اُدھر اے کشش حب وطن کھا ہو گا

معاف کر دیے سارے گناہ روز شمار خدا کو رحم جو آیا تو بے حساب آیا

نہ ہوئی آہوں سے کم ' روشنی داغ جگر کل کسی طرح چراغ اپنا ہوا سے نہ ہوا

پہ سجده کہوں سر جھکا ہے کسی کا ؟ وہ بت ' توبہ توبہ ' خدا ہے کسی کا

نہ چلا دب کے آسمان سے کبھی مہرے مشت فہار ' کیا کہنا !

کس کے گھر کی میں راہ بھولا ہوں ڈھونڈے ملتا نہیں جو گھر اپنا

ہم پری کہتے ہیں اُن کو ' وہ ہمیں دیوانہ ایک مدت سے یہ جھگڑا ہے ہمارا اُن کا

خواب میں معصو تماشاے رخ یار رہے شکر ہے عالم فطرت میں بھی ہمارا رہے
موت کا کس کے ڈرانے کے لیے پیغام ہے عاشق جانناز میں مرنا ہمارا کام ہے

اسمہی نے کہا ہے تلک جاں سے گلا کھلنے لگا طوق گواں سے
خدائی کا ہے دعویٰ کس زبان سے کوئی پوچھے بتاں بے دہاں سے
جہاں تلہا مثال خضر تو کہا میں در گذرا حیات جاوداں سے

یوں تو سب قائل تحریر مقتدر ہوں، مگر
یہ بتا سکتا نہیں کوئی کہ لکھا کیا ہے

موت مہربی شکل سے بھزار ہے زندگی کی کہا ہو صورت، دیکھو
کر گئے ہیں وعدہ، معشر وہ آج کب ہو فرداے قیامت دیکھو

تم کہہ جاؤ ہو، میں خاموش ہوں میں کہوں تو بات کہا رہ جاؤ گی

اک اک سے پوچھتا ہے جو اس انجمن میں ہے
فانوس میں ہے شمع، کہ وہ پھرہن میں ہے

صہاد کس کو اب ہے رہائی کی آرزو؟
 کلچِ نفس میں خوش ہوں کہوں آشیاں سے ہم
 روز حساب پرستی اعمال کچھ نہ ہو؛ یارب، ترے کرم کے ہیں اُمیدوار ہم
 خوفِ گلہ سے ہو گئی صورت ہی اور کچھ؛ کیا ملے دکھائیں گے تجھے پروردگار ہم؟

اس درجہ محوِ لطافِ نفس ہوں کہ اب مجھے
 یہ بھی خبر نہیں ہے کہ تھا آشیاں کہاں

دیر و حرم کا ہم سے پتا پوچھتے ہو کیا
 ہم مست ہیں خدا کے، ہمیں کچھ خبر نہیں

اُن کا ہم مجلس نہیں حسن کے بازاروں میں
 ایک یوسف تھا، سو رہا بھی ہے خریداروں میں

دھجھکاں دامنِ صحرای کی آزا دیں گے، جلوں!
 اب یہی تھہری ہے ہم جاگ گردہمانوں میں

دکھتا ہوں شانِ رحمتِ ایزدِ نگاہ میں
 سو سو ثواب ہوں مرے اک اک گناہ میں

وہی بعد رہائی بھی اسٹوری کی ہوس مجھ کو
 نہ بھولا آج تک، صہاد، آرامِ نفس مجھ کو

صبا کہی جو سورے کوے یاد چلتی ہے لہو ہوئے مرا مشقتِ غبار چلتی ہے
 تہمے نہ سوزِ محبت سے عمر بھر آنسو ہرنگِ شمع دے ہم جس انجمن میں رہے

شب بھر کا سارا جلوہ ہے پھر صبح کچھ نہیں
 پروانو، عمرِ شمع نہایت قلیل ہے

لرقت میں آئے موت تو یہ کہ کے تالوں ہم اللہ سے ملوں گے نہ بے یار سے

میں نے اے دیوانگی، دیکھا نہیں دنیا میں کچھ؛
 آنکھ بھی خالق نے مجھ کو دی تو پتھرانی ہوئی

پارسی مری بدتر ہے گلہگاری سے فطرت خلتے ہے بہتر مری بیداری سے
خوب ہے خلدۂ مہتوار مری زاری سے آگہی ہے تجھے اخلاص و دیباگاری سے
کس گلہگار کے عصاں تجھے معلوم نہیں
پر ترے رحم سے خاطی کوئی محروم نہیں

نعت

ترن خاکی اگر ہر باد ہو جائے تو ہو جائے حریم جسم بے پلہاد ہو جائے تو ہو جائے
تمام اس عمر کی مہمات ہو جائے تو ہو جائے دل ایسا شاد یا ناشاد ہو جائے تو ہو جائے
نہ چھوٹے زندگی سے حشر تک دامن پھمپر کا
پہوں دست محمد سے پیالہ حوض کوثر کا
تصور ہے رسول اللہ کا آتھوں پھر مجھ کو وہی نور خدا ہر وقت آتا ہے نظر مجھ کو
جمال پاک اُلفت نے دکھایا! عمر پھر مجھ کو یہی ورد زباں ہے رات دن شام و سحر مجھ کو
نہ چھوٹے زندگی سے حشر تک دامن پھمپر کا
پہوں دست محمد سے پیالہ حوض کوثر کا

منقبت

خالق نے دی تو تہف شجاعت انہیں کو دی
حاتم سے بھی زیادہ سخاوت انہیں کو دی
گو اولیا بہت تھے ولایت انہیں کو دی
سب کچھ جو دے چکا تو شہادت انہیں کو دی
ان پر خدا نے مرتبوں کا خانمہ کیا
طرفہ یہ ہے کہ زوج پے فاطمہ کیا
شہر خدا علی ہیں ید اللہ ہیں علی
شاہان دو جہاں میں شہنشاہ ہیں علی
راز خدائے پاک سے آگاہ ہیں علی
مثل نہیں مقرب درگاہ ہیں علی
ذات رسول پاک تو ہے رہنمائی کو
شہر خدا ہیں خلق کی مشککہ شائی کو

صغیر

شاہ غلام حیدر [۱] "صغیر" لکھنؤ کے دہلے والے 'شہخ دھومن کے بیٹے ایک صوفی مشرب بزرگ تھے۔ پہلے "ناسخ" سے پھر "رشد" سے تلمذ رہا۔ ۱۳۰۴ھ (۱۸۸۷ء) میں وفات پائی۔ ان کا ایک مختصر دیوان "یادگار صغیر" جسے انہوں نے ۱۲۸۳ھ میں مرتب کر لیا تھا، ان کی وفات کے بعد خان بہادر شہخ احمد حسین "مذاق" تعلقہ دار پریانواں نے ۱۳۰۵ھ میں شائع کیا [۲]۔ کلام صاف، سادہ اور تقریباً تمام اصنافِ سخن پر جاری ہے۔ تصوف کا رنگ غالب ہے۔

مناجات

اے خدائے دو جہاں خالق اکبر تو ہے آفرینندۂ مہر و مہ و اختر تو ہے
 نچ بٹھیں سر ہر خسرو و قہصر تو ہے سامع شور و فغانِ دل مضطر تو ہے
 تھری تسبیح میں ہر شے ہے : وہ معبود ہے تو
 جس نے دھونڈا نتیجہ جس جا وہیں موجود ہے تو
 قوتِ باصرہ سب اہل نظر کو بخششی آگ پتھر کو دی اور آب کھر کو بخششی
 تھری شام کو تلویحِ سحر کو بخششی مزلتِ علم کو توقیرِ ہنر کو بخششی
 خاکساری میں شہلشہ کیا درویشوں کو
 مہرہم وصل دیا عشق کے دلریشوں کو
 زندگانی کا اثر چشمۂ حوواں کو دیا نورِ گرم آئینۂ مہر درخشاں کو دیا
 جلوۂ سرد چراغِ مہ تاباں کو دیا جوہرِ عقل دماغِ سرِ انساں کو دیا
 اثرِ سعد دیا بالِ ہما کے پیر کو
 ہورے مٹی کو دیے لعل دیے پتھر کو

[۱]—سخن شعرا میں حیدر علی نام لکھا ہے۔ [۲]—یادگار صغیر (مطبع قومی لکھنؤ)

فراموش ہو گئی ہے ' اے جلوں ' چاک گرہاں سے
نہ ہو بیعتاب صغیرا کا بھی دامن دیکھ لہتے ہوں

دونوں ہوں ایک ' نقل کو دیکھوں کہ اصل کو
آنہلہ اُس سے ہو جو مقابل تو کہا کروں

گو کہ جنت میں ہوں طوبی کے تلے پر ترا سایہ دیوار کہاں ؟

رہتی ہے بھنڈی مجھ کو جہاں رہتا ہوں
ہجر میں یہ نہیں معلوم کہاں رہتا ہوں

دوستو ' حال دل زار کہوں کیا اپنا ؟ یوچہتے ہو وہی جو بات بتانے کی نہیں

اشکوں سے جو سہنچا تو پہلا نفل تمنا مصلحت نہیں ہوتی کبھی ہرباد کسی کی

بیعتاب ہوں میں وصل میں فرق سے زیادہ انداز میں دنیا سے نرالے مرے دل کے

ایک دن داغ اے مہ کامل دکھائیں گے تجھے
چاک کر ڈالیں گے سہلہ دل دکھائیں گے تجھے

دیکھیں گے چہرہ ہماری لوگ خود بولی تری
آج آنہلہ سر محفل دکھائیں گے تجھے

کس کی صورت رزق دل پر اتر آئی ہے
وہی آنکھوں میں ہے پتلی وہی بھنائی ہے

قسمت کے لکے کو کیا کروں میں نام تو ہے نامہ بر نہیں ہے

قصیدہ

واجد علی شاہ کی مدح میں

شہ گوردوں نشیں ' قطب زمیں ' مہر جہانبانی

سلیمان زمان ' سلطان عالم ' ظل سیستانی

فریدوں سلطنت ' جمشید فر ' نوشہرواں نصرت

سکندر بارگہ ' دارا حشم ' کھنکسرو ثانی

بہان حسن سہرت یا بہان حسن صورت ہو

سکھائے حاتم طائی ' اٹھائے ماہ کلعاتی

خوش نصیب

ابر رحمت کی صفت میں ہے مجھے تشنہ لبی
 کون سی بات کہوں وہ کہ نہ ہو بے ادبی
 خوب مضمون بگایا ، زہے اعجازِ نبی :
 مرحبا سہد مکی مدنی العربی
 دل و جان ہادِ فدائیت چہ عجبِ خوہش لقی

غزلیات

خدا نہ دے کسی دشمن کو رنجِ تلہائی ہزار شکر کہ دل ہم سے دافدار ہوا
 مستیِ ساغر مے ہوتی اگر ، اے ساقی ، عہدِ پھری کو میں ایامِ جوانی کہتا
 کس طرح دل کو کلوچے سے لگائے نہ رہوں
 یہ وہ آئینہ ہے جس میں رخِ جانناں دیکھا
 جذبِ باطن سے مرے گھر وہ گلِ اندام آیا آج مہرا دل بھتاب بہت کام آیا
 قالب بے روح کو وہ بے قراری اب نہیں
 جان شاید اُس پریرو پر فدا تھی میں نہ تھا

جذبہ دل نے مٹایا صدمہ کلجِ نفس بے گل آئی پر و تسکونِ جانِ عداہب
 پیامِ یار کہاں کا ، جواب خط کیسا ؟ مجھے ملی نہیں مدت سے نامہ ہر کی خبر
 توپ توپ کے لگانا ہوں تگر میں در پر نہ درد دل کی خبر ہے نہ درد سر کی خبر
 بتوں کی بے خبری سے تمام ہو جاتے اگر خدا کو نہ ہوتی دل بھر کی خبر

دل دے چکے تھے آپ کو اب مر کے جان دی
 وہ ابتداءِ عشق تھی یہ انتہائے عشق

قیس یہ دیکھتا تھا نائفۂ لہائی کی طرف کہ آرائے کی ہوا پردہٴ محصل کب تک
 جور و جفائے یار سے شکوا نہیں ہمیں اچھے کہہ کی آپ سزا کچھ تو پائے دل
 تمہارے ظلم و ستم لکھ رہا ہوں گن گن کو مرا حساب ہے روزِ شمار کے قابل

اس انجمن کا فروع بھی عرصہ احترام ہے منبر یہ طور ' ذاکر موسیٰ کلام ہے
 فانوس ' رشک لائے باغ خلل ہے
 یگانہ نہیں عام میں پر جہوئیل ہے
 یہ بزم ہے وہ باغ کہ بلبل ثواب ہے موتی ہے آب اشک ' پسوہنا کلاب ہے
 شرمندہ داغ دل سے گل آفتاب ہے سادات موملوں کی صفت بھوساب ہے
 جو بزم تعزیت میں ہے وہ حق پسند ہے
 مثل عام ہر ایک کا رتبہ بلند ہے

پوراہن سکن ہے پے قامت زباں اس پورہن کی چھب میں ہے گوہر زباں
 ذاکر بھی ہے زبان بھاں سے گہر فشاں منبر ہے لا مکان تعلیٰ کو نردباں
 مانند مہر و ماہ مضامین بلند ہیں
 اس مرتبہ میں خلعت قدرت کے بلند ہیں

قطعہ

تہنیت انیس الدولہ بہادر

مبارک ہو آہی عہد کا دن زیادہ ہو برس ہو شادمانی
 قہام عہد دولت عمر بھر ہو رہے ہو دم خدا کی مہربانی
 برنگ نشتر صہبائے دہریں ضعیفی تک رہے جوش جوانی
 ضہا بکھن جہاں ہو نیو بخت مثال نور مہر آسانی

تاریخ مسجد شیخ عالم

زندگی ہے یہاں کوئی دم کی برگ گل پر ہے ہوند شہلم کی
 نام عالم میں رہ گیا ہے "صغیر" یہی مسجد ہے شوخ عالم کی
 ۱۲۲۸ھ

تاریخ شادی شاہ مہدی عطا

بہت دن سے تھی آمد کٹھدائی شب عقد آئی ' تمنا ہو آئی
 بگے اس قدر بیاہ میں خزان نعمت کدا سے چھتی بانوے بھلوائی
 برائی میں سب اولہاء و مشائخ رہے پاکسازی رہے پارسائی
 ہوئی شادی پانے سے آواز پھدا ہوئے ہاتھ مہدی عطا کے حلقائی

جمال شاہ کا ہندوستان سے قاف تک گل ھے
 حسدیان جہاں خود رفتہ ھوں پریاں ھیں دیوانی
 اگر تصویر کھینچی جائے اِس روے ملور کی
 شعاع مہر ھو ایک ایک موے خامے مائی
 فروغ چہرۂ یوسف مرقع سے نظر آئے
 مثال دیدۂ یعقوب اندھرا گھر ھو نورانی
 جلے شمع رخ ' پروانہ ھوہں پری رویاں
 ھو اے دعب سے گل ھو چراغ عقل انسانی
 ھو اے بے سبب جلدبش ھیں کب ھے دامن رایت
 ھم اے فتح ھے شہر سے مصروف مگسرا نی

مسدس

کہا بے ثبات گردش لیل و نہار ھے دن کو نہ ھے قرار ' نہ شب کو قرار ھے
 شام بقا سے صبح فنا ھمکار ھے مضمون بانگ مرغ سحر آشکار ھے
 غافل یہ وقت طاعت پروردگار ھے
 اب چونک پچھلی رات کا کیا اعتبار ھے
 سرو رواں ھیں زور روانی کہاں دھا اگلا سا لطف سحر بیانی کہاں دھا
 سر چہمے حیات ھیں پانی کہاں دھا پھری ھیں خواب عہد جوانی کہاں دھا
 غافل یہ وقت طاعت پروردگار ھے
 اب چونک پچھلی رات کا کیا اعتبار ھے

رباعی

کہونکر کہوں خوشگونی کی خو مجھ ھیں ھے
 ھیں تجھ ھیں ھوں اے حسن جو تو مجھ ھیں ھے
 خوبی ھے تو دعویٰ سے زبل بلند دھ
 گل یہ نہیں کہتا ھے کہ ہو مجھ ھیں ھے

مرثیہ

کہا مجلس حسین علیہ السلام ھے تسبیح سلک اشک ھے ذکر امام ھے

ہجرو

ترہہون فانہ ”ہجرو“ پلڈت بشمبہر نانہ ”صابر“ کے بیہمے ۱۸۵۳ع
(۱۲۷۰ھ) مہن فیض آباد کی تحصیل چلہا مہن پیدا ہوئے۔ مکتب مہن
اردو اور فارسی کی تحصیل کے بعد کولنگ کالج لکھنؤ مہن ایف اے تک
انگریزی پڑھی۔ ”قدر“ بلگرامی سے مشورۂ سخن کرتے تھے۔ طالب علمی ہی کے
زمانے سے ’اودھ پنچ‘ اور اور اخباروں مہن مضامین لکھا کرتے تھے۔ ۱۸۹۲ع
(۱۳۱۰ھ) مہن وفات پائی۔

”ہجرو“ بڑے بذلہ سلیج شاعر اور نثار تھے۔ کلام سے سلاست اردو روانی کے
علامہ، طبیعت کی شوخی اور چلبلا پن نمایاں ہے [۱]۔

’اودھ پنچ‘ کا فیہا سال

بہار آئی ہے، پھولے چمن، شجر مہن نہال
ہرے مہن سبزے سے جنگل، گلوں سے گلشن لال
چمن کو پھول مبارک ہو، پھول کو خوشبو
اودھ کو ’پنچ‘، ’اودھ پنچ‘ کو یہ دوسرا سال
ہرب کہہ نہالی ہے سج نہالی دھج
خدا گواہ، نہا سکے ہے نئی نکسال
یہ بول چال جدا ہے یہ چال دھال جدا
جدا سخن کی روں ہے جدا یہ طرز مقال
مہن لوگ جھومتے ہیں تھل و قال پر اس کے
کہ جس طرح کسی صوفی کو آئے بزم مہن حال

[۱]—بہار گلشن کشمیر ج ۲، ص ۵۷۸۔

(۱۶۰)

اماموں سے بارہ ملے سیکڑے جب تو تو قادروں سے ملے تو دعائی
ہزار و دو صد ہوں فراہم خود میں عیاں خمسہ چست سے ہے اِکائی
۱۲۹۵ھ

وہ تاریخ مہجری ہے یہ سال فصلی ہماریوں ہماریوں ہو یہ کتخدائی
۱۲۸۵ھ ف

جام چہاں نہا

رندوں سے کہاں چہہے گا ساقی پر سال کی مے ابھی ہے باقی
 بھر دے جام شراب ، جلدی آمد آمد ہے سالِ نو کی
 کچھ فکر نہ کر تو اُس کی ' اِس کی کس کی دھی اور دھے گی کس کی
 مجھکو مے بیہوشی پلا دے اپنے ہی گروہ مہن ملا دے

مرفان چمن کا چہچہانا سبزے کا ہوا سے لہلہانا
 ہر سرو پہ قمریوں کی پرواز پہاڑی حق سرہ کی آواز
 ٹھنڈے ٹھنڈے ہوا کے چہونکے گلدستے چلے ہوئے ٹلوں کے
 وہ صبح کا وقت اور وہ گلزار آنکھوں مہن ساگھا بس اکبار
 ہر مرغ چمن چہک رہا تھا سارا جنگل مہک رہا تھا
 پھسلن تھی روش پہ اِس بلا کی پھرتی تھی نسیم لڑکھڑائی
 شہنم کا ہر ایک قطرہ دُر تھا منہ غلجوں کا موتوں سے پُر تھا
 اک ناز سے نہریں گہومتی تھیں ہر پائے شجر کو چومتی تھیں

لسان الغوب کشہور

سلیہل قومی اعزاز کے کھونے والے زمانے مہن تخم حسد بونے والے
 جہالت کے چشمے سے منہ دھونے والے خبردار او بہنچور سونے والے

گھٹا کی طرح چہا: رہی ہے تباہی

تروی قوم پر آدھی ہے تباہی

ترے ساتھ کھا قوم نے کی بوائی جو گنہام فہرست ہر جا کھائی
 یہ کھا تفرقہ ڈالنے کی سمائی چہتے بانپ سے بھتے بھائی سے بھائی

بھلا مقتضایے ریاست یہی ہے ؟

شرافت یہی ہے ، نجابت یہی ہے ؟

تروی قوم کو اِس عداوت نے کھویا جہالت نے کھویا ، حماقت نے کھویا
 بنا کھر ترا تھوی عادت نے کھویا تجھے فخر ہوجا کی شامت نے کھویا

وہ حالت ہے جس کا سدھرنا ہے مشکل

تہ آب سے اب اُبھرتا ہے مشکل

معاندین نے یگانا بہت سرِ اِس کے لیے
مگر تراشِ خواہش اِس کی پائوں تھا یہ مہال
کہاں یہ فوق سما اور کہاں وہ تختِ ثری
کجا براقِ نبی اور کجا خرِ دجال
ہے ابعدا ہی میں اِس کے بس انتہا کا مزا
خدا کی شان مہ نو میں حسنِ بدو کمال

اب تو پھول پلا دے ساقی
پاس نہیں ہے بھونی بھانگ
خالی ہاتھوں گھر کو آئے
دام کا ذکر نہ لائے جا
مسرف ہیں، صرف نہیں ہم
'پلچ' کے دام بھی ہیں کچھ باقی
رندوں سے اب کے پالا پڑا ہے
ریچھ کا ناچ نہچایا ہم نے
بجلی چمکی اُتر، دکھن
کابل پر بھی سارا چھاپا
توڑ پتھایا، جوڑ بنایا
سال مزے میں کاٹا ہم نے
سال بھرے کی باقی لانا
اُبلے مٹکا، ہتھیا بوسے
گرم پھالا تھمتی ہوائیوں
خاکِ پتھر سے چھڑ چھڑ بوندیں
باغ پہ بوسے باری بادی
نہر بھری ہے گردن گردن
مانگیں زباں سے برگِ دھانوں
خوش رہیں یارب راجا پرچا

بادۂ احمر لا دے ساقی
نشا جمادے دام نہ مانگ
چار چو پائے آتھ آرائے
جام یہ جام پلانے جا
مانگے تو کھدیں صاف 'نہیں' ہم
من میں دھرج رکھنا ساقی
باتوں کا تھری خرچ بڑا ہے
دوم و دوس لڑایا ہم نے
دیکھ سب نے قلم کے جوین
حال دکھن کا سارا چھاپا
شام اودھ کا رنگ جمایا
'پلچ' سے ملک کو پاتا ہم نے
ہاں، مے رنگیں، ساقی لانا
نشلہ لہی سے رند ہیں ترسے
سرخ شراب اور اودی گھٹائوں
گڑ گڑ بادل، پڑ پڑ بوندیں
جھوم کے آئے ابر بھاری
کھسا نکھرا سارا ٹلشن
فلچے چٹکیں لے کے بلائیں
دل ہو شگفتہ چوں ہو ہرجا

اللہ دے ستم! جرر و جفا سے نہیں ڈرتے صدحیف! غریبوں کی ہکا بکا سے نہیں ڈرتے
یہ لوگ جدمع دولت دنیا ہے ادھر ہوں
اللہ سے کچھ کام نہیں، بلند زر ہوں

حالت پہ غریبوں کی چلا آتا ہے رونا آرام سے گھر جن کو مہسو نہیں سونا
رشوت کے لیے بھیجتے پھرتے ہوں بچھونا برباد اسی طور بدا ہے انہیں ہونا
تقدیر سے ناچار ہوں، کچھ کہ نہیں سکتے
بیچارے بلا زر کے دیے رہ نہیں سکتے

سائل تن تلہا ہے، ستمگار ہزاروں در اصل انار ایک ہے، بھمار ہزاروں
اک جان کی خاطر ہوں طلبگار ہزاروں اک دل ہے نقطہ اور دل آزاد ہزاروں
پھر کس سے اس اندھیر کی فریاد کرے وہ
کہوں کر نہ بھلا روپھا برباد کرے وہ

چھوڑا سی بھی بے نذر تھہرنے نہیں دیتے اسوار کو گھوڑے سے اُترنے نہیں دیتے
پیدل کو کہوں پانو بھی دھرنے نہیں دیتے حاکم سے ملاقات بھی کرنے نہیں دیتے
ملتتی نہیں مہلت کوئی دم ان کے ستم سے
دُاکو کی طرح لڑتے ہوں روپھا ہم سے

میری قوم کے پیارے کشمیری بھائی یہ ہمت دھرمی کہوں اتنی دل میں سمائی
گھٹا خوف کی کہوں ہے آنکھوں پہ چھائی سمجھ بوجھ کر کہوں ہے بے اعتنائی
زرا دل میں سوچو تو للہ صاحب
ہے ظاہر میں کچھ 'دل میں کچھ' راہ صاحب !

یہ غالب ہوئی دنیوی تم یہ عبرت کہ دنیا کو عقیدے پہ دی تم نے سہقت
بڑھی ایسی تکذیب بوجھا کی عزت گھٹائی نکالوں سے ایمان کی وقعت
نہ ہے اور نہ ہوگا یہ مسلک تمہارا
مبارک تمہوں دھریا پن تمہارا

ارے جوہی قومی ' کہاں ہے کدھر ہے؟ یہ کیا ہو رہا ' دیکھ ' شام و سحر ہے
کہہی تیری انصاف پر بھی نظر ہے ؟ تری قوم کی ' دیکھ ' حالت بتو ہے
جو مغلوں ہیں یا کہ ہیں صاحب زر
نکالوں میں تیری تو ہوں سب برابر

بڑھی اس قدر " ہجر " نا اتفاقی گلی چھوٹ آپس کی سب خروں مذاقی
محبت کی بو تک رہی اب نہ باقی نہیں ہوتے بھائی سے بھائی ملاقی
پہلے ہی قوم ہے ظلمت ما و من میں
ترقی کا چاند آ گیا ہے کہن میں

رشوت

ایمان کا گلا کاٹے وہ شمشیر ہے رشوت چھوٹے جو جگر عدل کا وہ تیر ہے رشوت
محتاج ہو زردار وہ اکسیر ہے رشوت ظالم بھی ہوتا ہو میں وہ تسکیر ہے رشوت
رشوت ہی وہ دائیں ہے کہ جلتے نہیں جس کا
رشوت ہی وہ ناگن ہے کہ ملتے نہیں جس کا
رشوت ہی نے ہم ہندیوں کا نام ڈھویا رشوت ہی نے تحقیر کا یہ تخم ہے بویا
رشوت ہی سے اعجاز ہمارا گھٹا کھویا رشوت ہی سے حکام ہمارے ہوئے جویا
ہے آبرو رشوت سے ہوئے سب کی نظر میں
رشوت ہی سے ایمان کی کشتی ہے بھنور میں
راشی فطرت تیر خدا سے نہیں کرتے السوس ' عدالت کی سزا سے نہیں کرتے

اُمیدِ رحم نے دنیا میں رکھ لیا مجھ کو _____ جو دل میں یہ بھی نہ تھی تو میں کہاں ہوتا

مہر و وفا و عیش و طرب کی تلاش میں
رنج و ملال مجھ کو ملا میں جہاں گیا
اپنا ہی حال تک نہ کھلا مجھ کو تا بمرگ
میں کون ہوں ' کہاں سے چلا تھا ' کہاں گیا
آئے سمجھ میں جب نہ یہاں کے تغیرات
نہرنگساز تم ہو ' تمہیں پر گناں گیا
وہم و خیال و خواب ہے دنیا ہے بے ثبات
جب تم گئے جہاں سے ' تم سے جہاں گیا

شباباں تھری دست درازی کو اے جنوں ' دامن کا چاک تا بہ گریہاں نکل گیا
سن لہجہ جو ' جنوں ' کہ تری آبرو نہوں _____ فصل بہار میں جو کہوں دل سلجھ گیا

میں دیکھ لوں گا خانہ دل ہی میں جب تمہیں
تم بھی کہو گے : ' ہاں ' کوئی اہل نظر ملا
گذری تمام عمر اُسی کے بیان میں
افسانہ فراق بھی کیا مختصر ملا
کنج مزارِ روح کو کھسا مفت مل گیا
جب قصرِ تن اجاز دیا تب یہ گھر ملا
روزِ ازل ملے ہیں تھور بجھے ہوئے
دل بھی ملا تو صورتِ شمع سحر ملا

وہی ہوتا ہے جو کچھ ہوتی ہے موصی اُن کی
میں نے جو قصد کیا دل میں ' وہ باطل ٹھہرا
کہہ لچکتی ہے مجھ اب سوے عدم حب وطن
مجھ کو دنیا میں نہ تو ' اے مری مشکل ' ٹھہرا

یہ عکس ہے تمہارے رخ ہے نقاب کا _____ یا آئلے میں پھول کھلا ہے گلاب کا
جاگا ہے مدتوں کا یہ سوئے گا دیو تک _____ موقع ملا نصیب کو پیری میں خواب کا
بہتا بہوں کو سمجھے ہوں بھودا ریاں بشر _____ کہتے ہوں جسکو موت وہ عالم ہے خواب کا

حیوت

معتمد جان خاں ”حہوت“ بایزید خاں [۱] کے بیٹے الہ آباد کے رہنے والے، مرزا اعظم علی ”اعظم“ کے شاگرد تھے۔ ان کے دادا جہانگھر خاں فوج میں رسالدار تھے۔ ۱۲۹۹ھ میں دیوان شائع کیا۔ پھر ۱۳۱۰ھ میں اپنا کلیات چھپوایا [۲]۔

کلام میں گداز ہے، خصوصاً تغزل کا رنگ زیادہ دلپذیر ہے، اکثر بلند پایہ مضامین بھوساختگی سے کہ جاتے ہیں، جس سے مشاق اور سخن سلجھ ہونے کا ثبوت ملتا ہے۔

غزلیات

ہر جز میں ہر اک کل میں تو ہی تو نظر آیا سر ڈال کے جب پردہ تو حید میں جہانکا
ہوں منتظرِ رحم دکھا شانِ رحیمی توتے نہ سہارا مری چشم نگراں کا

یہ چرخ کولہ پرور مجھ سے تیرھی چال چلتا ہے
آہی مجھ کو صدمہ ہو نہ اس کی کج ادائی کا
عجب کہا وہ نگاہ پاک سے اس کی طرف دیکھیں
کہ مہرا دل تو آئندہ ہے اُن کی خود نمائی کا

گھاغل عرش اعظم پر جو حضرت کی سواری کا
ملک بولے یہ رتبہ ہے بشر کی خاکساری کا
آنارو عکس روے یار اپنے شہشہ دل میں
سلیقہ ہے اگر ”حہوت“ تمہیں آئندہ داری کا

[۱]—سطن شعرا میں باز خاں نام لکھا ہے لیکن یہ غلط ہے۔ ملاحظہ ہو خاتمہ کلیات حیوت۔

[۲]—صاحب خمخانہ جاریہ نے وفات ۱۸۷۵م کے قریب بتلائی ہے لیکن کلیات حیوت کے

تاریخی قطعے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۲۱۰ھ (۱۸۹۲ء) تک یہ زندہ تھے۔

نیغ نگہ ناز کا مارا نہیں بچتا اس گہات جسے تم نے اُٹارا نہیں بچتا
کھونکر نہ کریں آپ کی ہم دل سے اطاعت بے اس کے تو ایمان ہمارا نہیں بچتا

آپ کے عشق میں ہیں زندگی و موت خراب
ہم نے دونوں کو بہم دست و گریباں دیکھا
جب کہا آپ کے جانباز کہاں دھتے ہیں
چشم حسرت سے سوے گور غریباں دیکھا

ہوالہوس عاشق جو ہیں اُن سے کسی دن پوچھو
کس کا کس کا موسم دل میں گریباں چاک تھا

سلتے ہیں کہ بچتا نہیں مشتاق تمہارا جو کچھ ہو مگر ترک وفا ہو نہیں سکتا

ہر شب دکھانا پھرتا ہے شرمندگی کا داغ
جب سے تمہارے بام کی جانب قمر گھا
کہتے ہیں اُس کو زندۂ جاوید اہل دل
جو آکے آپ کے در دولت پہ مر گھا

”حورت“ دم فنا بھی زبان پر ہو اُن کا نام
نکلے قفس سے طائر جاں بولتا ہوا

سنا خلجبر بکف قاتل کھڑا ہے آج مقتل میں
چلیں جانباز اب موقع ہے قسمت آزمائی کا
زبان سے ہم نہیں کہتے مگر کانوں سے ملتے ہیں
وفاداروں میں چرچا ہے تمہاری بیوفائی کا

نم زرا چشم علیایت سے إشارة تو کرو لاکھوں ہو جائیں گے شرمندۂ احسان پھدا
اب ترے ظلم کی فریاد اُسی سے ہوگی تجھ کو جس نے کہا اے فعلتۂ دوراں پھدا
نرمائے تو آپ کی الفت کسے نہیں اک میں تھہر گھا جو گنہگار کھاسب
بہتے ہیں ترے عشق نے رسوا کیا ہم کو کھا خوب نکالی مرے الزام کی صورت
سوتا ہے اِک جہان تصور میں آپ کے میں لوٹتا ہوں اور مرا دل تمام رات

کون بدنام ہوا لوگ کسے ہلستے ہیں آپ سمجھیں تو نکیتھ مری رسوائی کا
گر مرا جذب دلی اپنا اثر دکھائے فانتھ تم بھی پڑھو صبر و شکیبائی کا

وحشت زدوں سے لطف جلوس کچھ نہ پوچھو ہم کیا کہیں کہ ہوتا ہے دیوانے پن میں کہا
آنکھوں نے آپ کی تہ و بالا کیا جہاں ہوتا ہے اور گردش چرخ کہن میں کیا

روز فرقت تو کسی طرح سے مر مر کے کتا
دیکھیں اب ہم کو دکھائے شب ہجراں کیا کیا

پیمانہ دل عشق سے بھر جائے تو اچھا ہر پیر کے یہ مرکز پہ تہر جائے تو اچھا
جس نے مجھے دنیا کے تماشوں کو دکھایا اب اُس کی طرف مہرِ نظر جائے تو اچھا
ہو اُس گل رعنا کی مجھے کون سنگھائے اے باد صبا ' تو ہی اُدھر جائے تو اچھا
روتا ہوا آنا ہے خرابیات جہاں میں ہلستا ہوا دنیا سے بشر جائے تو اچھا

سرشارِ مے عشق پہ ہوتے ہیں اشارے لبریز ہے اب عمر سے پیمانہ کسی کا
بہچھین کھے دیتی ہے باطن کی محبت ناحق کوئی ہوتا نہیں دیوانہ کسی کا

شریکِ روح ہے قالب میں آپکی اُلفت یہ جب تلک ہے مرا دم نکل نہیں سکتا
سمومِ عشق سے یارب بچائو دل کو چراغِ عمر ہوا ٹل تو جل نہیں سکتا

نہیں سنتا کبھی شیون کسی کا آہی دل نہ ہو دشمن کسی کا

ہوا پھندا ہے زلفِ مشکرو کا پڑا اس میں اکر کوئی تو چوکا

کون جی دیتا ہے 'دل کون فدا کرتا ہے؟ حوصلہ دیکھیے آج اپنے خریداروں کا

تم نے دوش تیغ جو سکھائی نظر کو ہم نے دل سرکھ سے لہا کام سپر کا

یہ جتنے مذہب و ملت ہیں سب دنیا کے جھگڑے ہیں

زرا سمجھو تو خالقِ کون ہے شیخ و بوہمن کا

واں تو بھکار ہیں سب عقل و خرد ہوش و حواس

کوچہ عشق میں ہے کون نگہاں کس کا

جس دن سے تمہیں دیکھ لیا پھر کیا مجھ سے میرا نہیں ' اب ہے یہ دل زار تمہارا

مجرم عشق جس کو لوگ کہیں اُس گنہگار کا خدا حافظ
وہ بھی بہار دیکھ کے چہرہ ان ہو گئے اہل ادم کو جا کے جو ہم نے دکھائے دُغ

شمع دو جب تک نہ آئے حسن مہکنا ہے چراغ
جب وہ آ بیٹھے تو پھر تحصیل حاصل ہے چراغ
جس پہ چلتے ہیں پتلی کے اُس کی لو تم سے لگی
صورت پروانہ دل سوزی میں کامل ہے چراغ

کب تک تشنہ دیدار رہیں میں ' یاد ب !
مجھ کو پہنچا دے مرے سائی کوثر کی طرف

غوطے کھانا میں ابھی تو بھر ہم میں آپ کے
دیکھوں کب نے جانی ہے تقدیر ساحل کی طرف

وحشہو ' مژدہ علامت ہے بہار آنے کی خود بخود ہاتھ لہکتا ہے گریباں کی طرف
میں میں کہ نہ ہوں اور کسی کام کے لائق ہو جائے زباں مہری ترے نام کے لائق

کہتے ہیں جس کو رام اُسی کو رحیم بھی
اپنی سمجھ میں کچھ نہیں دیر و حرم میں فرق
تقدیر کا لکھا کبھی " حیرت " مٹا نہیں
ہوتا نہیں نوشتہ لوح و قلم میں فرق

اب تو ہے زندگی و موت میں جھگڑا ' دیکھیں
دونوں دھتے ہیں ہم دست و گریباں کب تک

نالے شبِ فرقت میں کہے میں نے سحر تک
اللہ دے غفلت ' نہ ہوئی تم کو خیر تک

متاع صبر کہو بیٹھے رقبہاں سے دو بھی
تمہاری راہ وہ ہے جس میں لٹا جاتے ہیں وہڑن تک
جہاں دل تیر مڑاں کے نشانے سے نہیں بچتا
نکاح شوق کہتی ہے بھلا چلیے تو چلین تک

یہاں تک کہا دیوانہ کہ بلے لگی زنجیر اب آئے کہیں یانو نہ پھیلائے مصیبت
 کہونکر بگھرنے جائے ہر اک اسکی پلہ پڑی غلچے کے لگ ٹکی ہے نسیم سحر کی چوٹ
 چشم جانان میں ہم حقیر ہوئے دیدہ انتظار کے باعث
 ہو رہا ہے حلقہ زنجیر ' ماتم خانہ آج قید ہستی سے چھٹا شاید کوئی دیوانہ آج

پہنچی ہے بابِ اجابت تک دعاے مہکشاں
 مژدہ ' اے ساقی ' کھٹا آئی سوے میٹھانہ آج
 حال پرسی کو مری آیا جو وہ آفت جاں دھبے دے دیہ تانے لب اظہار میں آج
 خواب و خیال گلشن ہستی ہے ' غافل و ' یان کی خزاں بھی ہیچ ' یوں کی بہار ہیچ
 نہ نہلد آئے گی مجھ کو نہ موت آئے گی
 بگائے تو شب ہجر میں گذر کی طرح

ڈھونڈنا ہوں میں نہیں لگتا کہیں اُس کا پتا
 کہا تمہاری آنکھ کے پردوں میں چھپ جاتی ہے نہلد
 سرکشی نالہ خاموش کی دیکھو تو زرا بعد مرنے کے بھی اُٹھتا ہے بگولا ہو کر
 کریں وہ سختیاں ہم پر جہاں تک اُن کا جی چاہے
 دھیں گے ہم اُنہیں کے در پہ سلگ آسماں ہو کر
 جہاں سے چل بسے کہا کہا ہمارے قافلے والے
 ہمیں پہنچے رہے افسوس گرد کارواں ہو کر

ساقی مجھے جامِ مہ وحدت نہ پلایا ' میٹھانہ بدلا کر
 کہوں چشم فسون ساز کی گردن سے پھرایا ' میٹھانہ بدلا کر

آمد و شد سے نفس کی یہ کھلا راز مجھے
 کہ مرے دل کی خیر جاتی ہے سرکار کے پاس
 جانہری کی مری اب شکل یہی ہے مولا
 کہ سرا و ہم ہی آجائے گنہگار کے پاس

پہرے عاشق کو تو سب اہل وفا کہتے ہیں
 اور جو اُس کو ستائے اُسے کہا کہتے ہیں
 عشق کے 'حسن کے رہنے کے سمجھنے والے
 ہم کو بھڑھوہ ' تمہیں ہوش دبا کہتے ہیں
 میں غم و درد سے نالاں ہوں ' مرے سیلے پر
 رکھ دو وہ ہاتھ جسے دستِ شفا کہتے ہیں

اُوام ہے اُن کو جو ترے معصو لقا ہیں بیتاب رہے قطرے ہیں جو دریائے جدا ہیں
 جب ہم کو درِ یار کے دھبہ کی ہوئی فکر دل کی یہ صدا آئی کہ ہم قبلہ نما ہیں
 اگر وہ باغباں ملتا تو اندھا پوچھتے اُس سے نہال آرزو کتلے دنوں کے بعد پھلتے ہیں

بھکا رہے ہیں غور وہ چھوڑاں [۱] ہوں کھڑے
 آنکھوں اُدھر ہیں دل ہے اُدھر بولتے نہیں

ہزاروں آفتوں میں بھی خدا کو یاد کرتے ہیں
 فرشتوں سے نہیں ہوتا جو آدم زاد کرتے ہیں

یہ کہکے مجھ کو بہرِ بجا ہے دنیا ہے زشت میں دوزخ کی سور دیکھ کے اُنا بہشت میں
 آخر وہی ہوا کہ جو تھا سرِ نوشت میں دوزخ کی راہ بھول کے پہلچا بہشت میں
 تم بھی رہو جو یاس تو ہو لطف ورنہ یار ہم رہے کے کیا کریں گے اکیلے بہشت میں
 "چہرے" جمالِ جلوۂ جانناں کہاں نہیں کعبہ میں بھی وہی ہے کلمشت میں

نظر، بگاڑ، جہاں سے بھلا پہرے کو نکر تمہارا نور ہے اِس انجمن کے پردے میں
 عدم ہے اُن کے دنیا کو جانتے ہیں وطن مگر ہے بے وطنی اِس وطن کے پردے میں
 تمام جسم ہے روشن تو روح کے دم سے یہ شمع دھتی ہے فانوس تن کے پردے میں

معصو جمال کو نہیں آتے نظر کہیں لگتی ہے روزِ دولت دیدار ہو کہیں
 آتی نہیں ہے نھلند اجل تو ہی رحم کر قصہ شبِ فراق کا ہو مختصر کہیں

تم تو دھتے ہو بدگماں دل میں اب تمہاری جگہ کہاں دل میں
 آخر ہی ہم کلمدِ اُلفت سے لائے اُن کو کشاں کشاں دل میں

کہا بلبل نے قہدی ہوں تری قسمت کی خوبی سے
 نفس بھی وہ ملا ہم کو نہیں ہے جس میں روزن تک

کہا رسائی ہو گئی اس کی بھی چشم یار تک
 نولند آتی ہی نہیں اب دیدہ بھدار تک

دیرو حرم اُسی کے ہوں اے شیخ و برہمن کافر سے وہ جدا ہے ' نہ دیندار سے الگ

تمہیں جہاں میں رہو ' میں تو ' لو ' عدم کو چلا :
 تمہارا شہر جدا ہے مرا دیار الگ

دل ہے پسند ' لہجہ ' لیکن یہ شرط ہے پہلو میں آپ رہیے ہوشہ بجائے دل

لطف کیا ہے گلوں میں نہ رہی ہوے وفا
 اب مناسب ہے گلستان میں نہ جائے بلبل

سنبھالو ہمیں اب آپ ' سرور عالم ! گذر گئے ہوں زمانے کے اعتبار سے ہ

اور تلخ خو ' ہوئے ترے عاشق کہاں سے ہم
 جو دل میں ہے وہ کہ نہیں سکتے زبان سے ہم
 مہمان چلند روزہ کی دعوت نہ ہو سکی
 شرمندہ ہو کے وہ گئے عمر رواں سے ہم
 باغ جہاں میں ہم ہی تھے کیا لائق خزاں
 ملتا کہوں تو پوچھتے اُس باغبان سے ہم

پکارا دست جلوں کو یہ دم خفا ہو کر
 اُلجھ گئے ہوں گریباں کے تار تار میں ہم
 جسے سمجھتے تھے اپنا ' وہ دوست اُن کا ہوا
 خراب ہو گئے اِس دل کے اعتبار میں ہم

گناہوں کی ندامت سے جو سر قالا گریباں میں
 تو دیکھا نور ایماں کو چمکتے داغ عصیاں میں
 آہی خیر کرنا بلبلوں کے آشہانوں کی
 سنا ہے آتھی کل خوب بھوکی ہے گلستان میں

دل گہا کوچہ قاتل مہوں تو اب تک نہ پہرا
جان بھی جانی ہے اب دل کی خبر لانے کو
گرمیِ حسن چلا دے گی، خبر اس کی نہ تھی
آئے تھے گلشنِ ہستی کی ہوا کہانے کو

یہ محسو ہوئے دیکھ کے بے ساختہ پن کو
آنہلے مہوں خود چوم لہا اپنے دہن کو

کوئی نافہم سمجھتا ہے کوئی دیوانہ
تو نے رسوا کیا آخر دل مضطر ہم کو
دیدہ بازی ہے رقیبوں سے ہمارے آنے
دیکھتے ہیں جو دکھانا ہے مقدر ہم کو
کہ دو پھر آئیں گے تسکینِ زبانی ہی سہی
تم نہ تھہرو تو مرا دل ہی تھہر جانے دو
رنجِ وراثت کا بھی اک وقت معین ہے ضرور
کوئی نادانی سے گھبرائے تو گھبرانے دو
آپ کے چہر کے یا مہری وفاداری کے
اب تو مہوں سب کی زبان پر بھی افسانے دو
جلوۂ فرماے لامکاں تم ہو
کوئی جس جا نہیں وہاں تم ہو

دیکھتے دیکھتے مرجائیں گے ہم یار کی راہ
دم بھی نکلے گا تو اس دیدہ بیدار کی راہ

ہشدار جو مشہور ہیں دنیا کے طلبکار
وہ سب ہمیں انجام سے فائل نظر آئے
جاتی تو ہے یہ ہر رواں راہ طلب مہوں
دیکھیں اسے کب عشق کی منزل نظر آئے

سنا ہے اُن کو منظورِ نظر تھغ آزمائی ہے
کہاں شوقِ شہادت نے مری گردن جھکائی ہے
سمجھ کر عاشقِ جانہاز اندا مت سنا ہم کو
اُسی نے دل دیا جس نے تری صورت بنائی ہے

اب لو کہیں چہر دو صہدِ شباب آنے کو ہے
ہو ہی مہوں آؤ کہ وقتِ انقلاب آنے کو ہے
دیدہ بیدار جو کچھ دیکھتا ہو دیکھ لے
حشر تک جس سے نہ چونکے گا وہ خواب آنے کو ہے

یہ حسد مجھ کو کہ اُن کا دوسرا عاشق نہ ہو
اُن کو یہ ضد ہے کہ کوئی دوسرا ہو، میں نہ ہوں

خرام ناز سے تلوار کی رفتار پیدا ہے
جہاں جاتے ہو واں گلیچ شہیداں ہوتے جاتے ہوں
تلوّن چھوٹتا جاتا ہے جوں جوں ہوش آتا ہے
کچھ اپنی بیوفائی سے پشیمان ہوتے جاتے ہوں

البتہ میں کسی کی کوئی مرجائے تو جانیں
یہ کام ہے اپنا، کوئی کرجائے تو جانیں

نہیں معلوم یہ اندھو رہے گا کب تک یا آہی شب فروقت کی سحر ہے کہ نہیں
ظلم کرنے کا نتیجہ بھی کبھی ملتا ہے تم کو ہلکا مے محشر کی خہر ہے کہ نہیں
آگاہ اپنی موت سے کوئی بشر نہیں سامان سو برس کے ہوں کل کی خہر نہیں

جہاں کی سحر کر کے خانہ اصلی کو جاؤں گے
تماشا گاہ دنیا ہے، اِسے مہلا سمجھتے ہوں
نفس کی آمد و شد ہی نہ ہو، تو کیا اجارہ ہے
طلسم زندگی کو ہم تو ایک دھوکا سمجھتے ہوں

نشانِ کفّس پا اُن کا ملے کھوں کر کہ دستے میں
جہاں وہ پانز دیکھتے ہوں، بشر آنکھیں بچھاتے ہیں

یہ زندگی ہے جسے اضطراب سمجھتے ہوں
وہ شکلِ موت ہے سب جس کو خواب سمجھتے ہیں
گئے شباب کے ہمراہ زندگی کے دن
اب آئے جسم کی متی خراب سمجھتے ہوں
گدہ اگرچہ ہوئے بے شمار ہم سے مگر
توڑے کرم کو بھی ہم بے حساب سمجھتے ہیں

ہم تو نگاہِ لطف سے بھڑھو ہو گئے کچھ سحر بھی ہے کیا نظرِ العفات میں؟

دیکھ کر عالم رویا میں اُنہیں میں سمجھا
خوابِ غفلت یہ نہیں بخت کی بھداری ہے

نہ تو کچھ فکر میں حاصل ہے نہ تدبیر میں ہے
وہی ہوتا ہے جو انسان کی تقدیر میں ہے
اُس کا ہر فقرہ ہے بیچڑھن جواب خط میں
ہے طبیعت میں جو شوخی وہی تحریر میں ہے

سن تو اے دشمن دیں اب تجھے کیا ہے منظور
کوئی دنیا میں مسلمان رہے یا نہ رہے

اے دے شہرِ خموشاں کے بسانے والے کہ ادھر جا کے پھر آتے نہیں جانے والے
یہ ترے بلند و وعظ کون سنے؟ ناصحاً، عالمِ جوانی ہے ۔

کس طرح سے دل آپ نے پتھر کا بنایا
ہم کو بھی بتا دیجیے تدبیر کچھ ایسی

وطن چھوٹے تو کہو کس طرح قرار آئے
عدم سے آئے تو دنیا میں اشکبار آئے

اے کل صدائے نالہ مریے ہر نفس میں ہے
سہیلے میں دل ہے یا کوئی بلبلِ قفس میں ہے

بیہوش کوئے دیتی ہے تاثیرِ نظر کی
اب ہم کو خیر ہے نہ اُدھر کی نہ اُدھر کی

جب عشق نہ تھا چہن سے اوقاتِ بسر کی
اب جی سے گذرتے ہیں یہ صورت ہے گذر کی

کروٹ تھی اُدھر کی، کبھی کروٹ تھی اُدھر کی
کل آپ کی فوقت میں یونہی رات بسر کی

دسواے جہاں ہوتے ہو کہوں غہر کے باہر
جو لوگ تمہیں کہتے ہیں ہم کہ نہیں سکتے

نہ خطا اپنی نہ اُن کی ستم آرائی ہے
 یہ مصیبت ہمیں تقدیر نے دکھلائی ہے
 سخت مشکل ہے کرو ضبط تو جلتا ہے جگر
 اور کینہوں دل کہلے میں رسوائی ہے
 جان بچتی نظر آئی نہیں بھڑکائی سے
 کہا ترے عشق کے پردے میں قضا آئی ہے

نکھرین آکے مرقد میں جو پوچھیں گے تو کہ دوں گا
 میں بلدہ ہوں اُسی کا جس پہ سب کا دم نکلتا ہے

کیا مری زندگی بسر نہ ہوئی ہاں مگر ایک طور پر نہ ہوئی
 شب فروقت کی سختیاں دیکھو دم فلدا ہوکھا سحر نہ ہوئی
 آپ تک کون مجھ کو پہلچانا جب کہ تقدیر راہ بر نہ ہوئی

کہا جانے کس کے پاس کیا کچھ نہ پوچھے
 ہم سے ہمارے دل کا پتا کچھ نہ پوچھے
 کہا کہا خرابیاں شب غم کی یہاں کروں
 بے لطف زندگی کا مزا کچھ نہ پوچھے

کہا زمانے سے گلے عشق و محبت والے ؟
 اب کسی میں نہ مروت نہ شناسائی ہے

پہرتے ہی نظر تھری پھرا مجھ سے زمانہ معلوم ہوا گردش ایام یہی ہے

قاتلوں میں عجب انداز جفا ہوتا ہے
 کوئی تڑپے تو وہ کہتے ہیں ”یہ کیا ہوتا ہے ؟“
 یہ بھی نیرنگی قدرت ہے کہ بلندوں میں ترے
 کوئی بھڑکائی کوئی ہوش رہا ہوتا ہے

بھٹکا بھی میرے پاس تو مذہ پھر کر وہ شوخ
 تقدیر کس مقام پہ پہلو بدل گئی

قطعہ

گل خلدان و چشم نم دیکھے زلف و سلب کے پیچ و خم دیکھے
بتکدے مہں بہت صلم دیکھے سیکڑوں بلدے دزم دیکھے
اہل ثروت ' عرب ' معجم دیکھے صاحب طہلہ و علم دیکھے
ایک سے ایک مستحکم دیکھے چشم "حیرت" نے نم سے کم دیکھے

سلیمان تو ہوں اکثر کہ وہ آنے کو ہیں تیار
لیکن مری تقدیر بھی جب راہ پر آئے

دست رس ہمارے کہوں کہ مجھے حاصل ہو جائے
اُس سے کیا زور چلے جس کی طرف دل ہو جائے

مذہب عشق میں عاشق کو عجب لطف ملا
کہ نہ وہ کفر میں حاصل ہے نہ اسلام میں ہے

ترجیح بند

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شان میں
مشعل ہیں آپ خالق اکبر کی راہ کی پور اصل کھیا بھلا مرے بخت سہاہ کی
سلیمان ہوں کوئی بھی مجھ داد خواہ کی ہے آپ کو خبر مرے حال تباہ کی
مشہور خلق آپ کی مشکل کشائی ہے
موقوف آپ پر مری حاجت روائی ہے

بارالم نے مہدی کمر چور چور کی آئی نہیں نظر کوئی صورت سرور کی
حالت بہت بُری ہے دل نا صبور کی ہو جائے مجھ گدا یہ عنایت حضور کی
مشہور خلق آپ کی مشکل کشائی ہے
موقوف آپ پر مری حاجت روائی ہے

قصیدہ

حضرت غوث پاک کی شان میں

غوث پاک اپنی دکھا دیجو وہ شان مجھ

حس سے مل جائے چمکتا ہوا ایمان مجھ

جاؤں دنیا سے بیکدوہ تو معشر میں کرے

سرخرو پوہں خدا آپ کا احسان مجھ

مہربانی سے عطا کیجئے وہ طور طریق

کہ زمانے میں کہیں لوگ مسلمان مجھ

ڈرے ڈرے ہے جہاں نور الہی ہے عیاں

وہ مدینے کا نظر آئے یہاں مجھ

جگانے صبح وہ بالوں پہ بے نقاب آیا _____ اُتھو بھی صبح ہوئی سر پر آفتاب آیا
 ہم آئے عشق بازی کو ' تم آئے دلموازی کو ؛
 کوئی اِس عالم اسباب میں کب بے سبب آیا
 میرے مرض کا کچھ نہیں غیر از فنا علاج _____ دم لے کے تم یہ جائے گا ' اِس کا کھاملاج ؟
 سب کھیلتے ہیں نالہ کرم اُس کے واسطے :
 اک شمع نے لگائی ہے یہ انجمن میں آگ
 صبر آہی جائے گا ' اے نا صبر ' _____ تھک کے خون ہو جائے گا ناچار دل
 وہ بادۂ خوار ہوں پہنچوں گا جب لب کوثر
 تو دیں گے ساقی کوثر بھی بہر کے جامِ مجھ

جوھر

جوھر سنگھ ”جوھر“ ملشی بختیار سنگھ ”رازم“ کے بھتیے لکھنؤ کے رہنے والے، قوم کے کائستھ اور راجا لال جی کے حقیقی بھانجے تھے جو امجد علی اور واجد علی شاہ کے زمانے میں فوج کے بخشی تھے۔ کل محمد خاں ”ناطق“ اور خواجہ ”وزیر“ سے اصلاح لیتے تھے [۱]۔ اور مرزا ”غالب“ کے شاگرد رشید تھے۔ اردو کے پانچ دیوان ان سے یادگار ہیں۔ صاحب خمستانہ جاوید (۱۳۲۵ھ میں) لکھتے ہیں۔ ”ایام ضعیفی میں اس بارہ برس ہوئے کہ آپ کا انتقال ہو گیا“ اس حساب سے تقریباً ۱۳۱۳ھ میں وفات پائی۔

زبان کی خوبی اور سلاست کے علاوہ کلام میں تصوف غالب ہے۔ اکثر جگہ مسئلہ وحدۃ الوجود کو تغزل کے مقبول رنگ میں بیان کیا ہے۔

غزلیات

سلم ہی اُس کے مظہر میں کروں سجدہ نہ کہوں جوھر!
نظر آتا ہے، جو کچھ ہے، نمونہ اُس کی قدوت کا

تھہرا وصال وعدۂ فرداے حشر پر _____ دل کو یہاں تحصیل روزِ دگر نہ تھا
دل میرے عشق سے مسرور ہوا، خوب ہوا: _____ جام خالی تھا؛ یہ معمور ہوا، خوب ہوا
مجھ کو مارا تو نے، اے بھدا دگر، اچھا کہا: _____ قصۂ طولِ محبت مختصر اچھا کہا
جلد لا سافرِ اناس میں، ساقی، میرے لعل _____ موتی ہوسانا ہوا ابر کھر بار آیا
خار کی طرح ملی باغِ جہاں میں نقدیر:
جس سے لہجوں وہ چہرۂ الہما ہے دامن اپنا

[۱]—محقق شبرا، ص ۱۱۸ و خطائے جاوید، ج ۲، ص ۴۱۲۔

آنکھوں ساقی سے ملا کر غہر جب رخصت ہوا
شریت دیدار پیمانوں میں بہر کر لے گیا
مانگتا ہوں میں بھی مسجد میں دعاؤں وصل کی
مجھ کو بھی عشق بے جاں اللہ کے گھر لے گیا

چکر میں داغ جلوں بے حساب دیتا جا نشانہاں مجھ سے تو اے شباب دیتا جا
ہار توبہ شکن آگلی ہے اے ساقی چمن کی خہر ہو جام شراب دیتا جا

غائبانہ ہی محبت نے چمائے نقشہ
میں نے اُس بت کو ' نہ زاہد نے خدا کو دیکھا

دیکھ لیں اہل نظر کھنٹ مہمناہ آج
چشم ساقی کی طرح گردش میں ہے پیمانہ آج
وحشت دل کی حمایت پا کے ' اے جوش جلوں '
عقل سے دست و گریباں ہے ترا دیوانہ آج

پہنچی کمد آہ فلک تک تو کیا ہوا بام مراد عشق ہے اِس سے سوا بلند

چار آنکھوں ہم نے کی ہوں ' تو قصہ نہ کھجھ
سائل نہیں ' فقہر نہیں ' راہ گھر میں

حضور دیکھ تو لیں اپنے طاق اہر میں
میں دکھ کے بھول گیا ہوں دل خراب کہیں
نہ آئے راز محبت زبان تک دل سے
چہلک نہ جائے پھالے سے یہ شراب کہیں

کس خرابی سے ملا ہے در جاناں مجھ کو
یہیں رہنے دے اب اے گردش درواں مجھ کو
بخٹہ چاک چکر کے لئے اے دست جلوں '
کوئی باقی ہو تو دے تار گریباں مجھ کو
دھوکا دینے کو فقہرانہ بلائی صورت
پھر بھی پہچان گئے آپ کے درباں مجھ کو

طاہر

طاہر علی "طاہر" سہد اطہر علی کے بہتے ' فرخ آباد کے دھڑے والے تھے - حضرت "بصیر" لکھنوی اور امداد حسین "صفر" فرخ آبادی سے تلمذ تھا [۱] - شاہری کی طرف ابتدا ہی سے طبیعت مائل تھی - ان سے ایک دیوان یادگار ہے - جسے ۱۳۱۲ھ (۱۸۹۴ء) میں مرتب کیا تھا اور ۱۸۹۵ء میں مطبع محمدی کانپور میں چھپوایا [۲] -

تغزل میں تلمیحات سے کام لیتے ہیں ' تصرف کے نکات دلکش ہیں انداز میں بہان کرتے ہیں اور معمولی ترکیبوں میں بلند مضامین پیدا کرتے ہیں -

غزلیات

روز فرقت نے دیے داغ ' جگر میں کیا کیا
مشعلیں جلتی ہیں دن کو سڑے گھر میں کیا کیا
مجھ سے سیکھا ہے شب غم میں جو انداز فغان
درد ہے فالگ مرقان سحر میں کیا کیا

بہر نظر سے جب تن لاف نہ آسکا
تھوڑی بدل گئی کہ یہ کھسا نشانہ تھا
قدربا ہوا تھا اُلفت ساقی کے رنگ میں
طاہر میں گو لباس مرا صوفیانہ تھا

وہ نسلے میں نہ لواتے تھے آنکھ غیروں سے
کسی زمانے میں یہ مہکدہ خراب نہ تھا
اب اس کی بلدہ نوازی جو بکھس دے "طاہر"
ہمارے جرم کی کچھ حد نہ تھی ' حساب نہ تھا

[۱] — سہی شعرا ' ص ۳۰۱ و خاتمہ دیوان طاہر ' ص ۲۵۹ -

[۲] — خاتمہ دیوان طاہر ' ص ۲۶۰ -

کیف

شونانہ ”کیف“ پلڈت بیچ نانہ چک کے بیگم ایک کہنے مشق شاعر تھے
شاہری سے گہری دلیچسپی رکھتے تھے۔ جہاں پہنچتے مشاعرے کی طرح قال
دیتے۔ سہارنپور، فیض آباد، گونڈا، اناؤ وغیرہ میں تحصیلدار اور ڈپٹی کلکٹر
رہے۔ پلشن کے بعد ریاست جے پور میں دیوان ہوئے۔ پھر ۱۹۰۹ء سے لکھنؤ
میں مستقل قہام کرلیا۔ گوندے سے ”گلدستہ کیف“ ایک ماعانہ رسالہ
۱۸۹۲ء میں جاری کیا تھا۔ دیوان چھپ گیا ہے۔ ۱۹۱۴ء (۱۳۳۲ھ)
میں وفات پائی۔

کلام میں سلاست و روانی ہے۔ زبان شستہ ہے، بندشیں چست اور دل
نشین ہیں [۱]۔

غزلیات

کس جگہ تھوندے تجھے والہ و شہدا تھرا
جب کہیں خاص نہیں کوئی تھکانا تھرا
تو وہ پکٹا ہے کہ جس کا نہیں ثانی پھدا
کوئی بتلائے کہاں ہے کوئی ہمتا تھرا
”کیف“ اُمیدِ رہائی قہد وحشت سے نہیں
پسانو کی زنجیر اب دامن صحرا ہوگیا
کھسا ہے، کہاں ہے وہ، بتائے کوئی کہا ”کیف“
پنام و نشان کا تو نشان ہو نہیں سکتا

دہی قدس مہن بھی مرنے کی آرزو مجھ کو
 گلے کا ہار ہوئی ہر رگ گلو مجھ کو
 لحد مہن رخ نہ کروں کوئے یار کی جانب
 جب اضطراب بھی دھلے دے قبلہ رو مجھ کو
 مہن ساتھ ساتھ چلوں گا ابھی ابھی اے عمر ،
 سلہال لہلہ دے بار گناہ تو مجھ کو

مال و دولت سے مہن مستغنی ترے در کے فقیر
 کھڑا ہاتھ آئی ہے نقش قدم کی خاک سے

بڑھ گئی شوق شہادت مہن جو بھتابی دل
 چال بسمل کی تمہارے جگر افکار چلے
 شکر ہے ہو گئی آسان وہ ملک عدم
 تھری تلوار کے سائے مہن گنگار چلے

وہ دور کر نہ چلوں جسم زار باقی ہے
 ابھی اچھلے کو دامن سے خار باقی ہے
 بڑھاچکے مہن مرے سوگ میں وہ سب زبور
 گلے مہن اشک مسلسل کا ہار باقی ہے

اے گل ترے دیوانوں کی ہے وضع نرالی
 ثابت ہے جو دامن تو گریبان نہیں ہے
 ارباب صدا کو ہے تکلف سے فرض کھا
 آٹھنے کے گھر کا کوئی دربان نہیں ہے

ابرو کا جواب ، اے بت عمار ، کہاں ہے ؟
 اِس کات کی ، اِس گھاٹ کی تلوار کہاں ہے ،

عریانیٰ تن لباس ایلےا حاجت اِس کو نہہیں رفو کی
 اللہ دے ہماری سخت جانی تہف قائل بھی خون نہوکی
 ساقی بھر کر پلا دے اِک جام ہو خہر تری ' ترے سبو کی
 مسہکا کھا خہر لے گا کسی کی جب اُس کو آپ ہی ایلے پڑی ہے

بعد مرنے کے کسی کو نہ دکھائی صورت ملنے لہہگے ہوئے چادر سے خطاوار چلے
 مرتے دم وضع کے پابند یہ دونوں نہ دھے اِک روہں راہ عدم ' فافل و ہشیار چلے
 کرے ضبط فغاں جب دل تو بےلا " کھف " فروخت میں
 لبوں پر آئے پھر کس طرح آہ نارسا تھہرے

اُہ بھی لب پہ تھی اور نالغ شہنشاہ بھی تھا
رات مجھ سا کوئی اور اے فلک پہر بھی تھا
یہاں بسمل کی بجھانے کے لیے مقتل میں
آب خلجہر بھی تھا آب دم شمشیر بھی تھا
اُس کی محفل میں سوا تیرے بتا تو اے ”کیف“
کوئی خاموش بہلا صورت تصویر بھی تھا

نہ تھا جوش جلوں میں جب لہو کا ایک قطرہ بھی
رگوں کو چھو کر پھر نشتر فساد کھا کرتا
تیری قدرت کا جلوہ دیکھتا تھا میں حسیلوں میں
سوا وحدت کے کثرت میں کسی کو یاد کیا کرتا
کسے خہر ہے کہ روز شمار کھا ہوگا خدا ہی جانے کہ انجام کار کھا ہوگا

جو کھا واپس نہ آیا بس وہیں کا ہو رہا
پوچھ پھر کوئی کسی سے کیا نشان کوئے دوست
وہ ہوں دم گشتہ میں راہ عشق میں اے ”کیف“ زار
خضر بھی دھو ندے تو پائے کچھ نشان مدت کے بعد

پائے وحشت دروڑا ہے پھر بہاؤں کی طرف
بزم رہا ہے ہاتھ پہر جھب و گریہاں کی طرف
قہل معشر ہو اڈر منظور معشر دیکھنا
چلتے پھرتے جائیے کور قریہاں کی طرف

مر کے لانا میں وہاں کا کچھ پتا دور ہے ملک عدم نا چار ہوں
آمد و شد سے نفس کی دہدہم ہو گیا ثابت کہ میں اک تار ہوں
بھولتا ہے عہد تو ہستی پر آسرا دم کا اے حباب ! نہیں
پلا دے آب خلجہر اور قاتل ابھی باقی ہے دم اس نیم جاں میں
ہم بھی جاؤں گے سورے ملک عدم جانے والوں کی خہر آنے دو

اب کہاں ہے جلوۂ دیدار بے پردہ نصیب — ایک دن موسیٰ سے لطف بے حجابی ہو گیا
 امتی کہتے ہیں بلندۂ مجھے 'مولا تجھ کو' — اس طرح ذکر ہوا کرنا ہے مہرا تھرا

یہ اُن کے بے نشانوں کے نشان ہیں — نہ مسکن ہے نہ ہے مدفن کسی کا
 یہی "قہصر" ہے جلت کا وسیلہ
 نہ چھوٹے ہاتھ سے دامن کسی کا

امانت ہے بتوں کا راز اُلّت دیدۂ دل میں
 تصور ہے مجھے آنکھوں سے اُن کی پردہ داری کا
 جھکا کر نشئی میں سر ساقی مہکش کے قدموں پر
 لیا ہے بھٹکودی سے کام میں نے ہوشیاری کا
 بتوں کو جبر کا شیوہ ملا سرکار خالق سے
 ہمیں بخشا گیا سامان سب بے اختیاری کا

مرا خط کس طرح 'اے آسماں منزل' تجھے پہنچے؟
 پر جبریل سے یہ غم کا دفتر اُتھ نہیں سکتا
 فقہوری تیرے کوچے کی کہیں بہتر ہے شامی سے
 تری دولت سرا سے مر کے "قہصر" اُتھ نہیں سکتا

دیکھ کر اضطراب بسمل کا — توت جانا ہے دل بھی قاتل کا
 اُن کو بے عذر آج دے دیں گے — یوں کریں گے معاملہ دل کا

خاک ہم راہ جستجو میں ہوئے — نہ ملا پر نشان منزل کا
 اُن کی مڑگل تو پھر گلہوں ہم سے — کون کاتگا نکالتا دل کا

ہے نشئی بلندار عبث بادۂ کشوں کو — ساقی نہ کسی کا ہے نہ مہنخانہ کسی کا
 نظر آتا نہیں پہلو میں تھکا نا دل کا — نگہ ناز آزائی ہے نشانا دل کا

زور بڑھتا ہے ناتوانی کا — عشقِ اک روگ ہے جوانی کا
 جاوہ گر ہے وہ مہر پہلو میں — لطف ہے صبحِ زندگانی کا

ساقی پری وشن کی خبر کس سے پوچھو؟ — جو مہکدے میں ہم کو ملا 'بے خبر ملا

قیصر

امین الدین "قیصر" شاہ ابوالظفر کے بیٹے 'شاہ محمد علیہم [۱] کے پوتے 'مرزا اعظم علی "اعظم" کے شاگرد 'شاہ اجمل الہ آبادی کے خاندان سے تھے - ۱۲۵۳ھ میں پیدا ہوئے - ایک مختصر دیوان "فرمان سخن" مطبع نامور 'الہ آباد میں ۱۳۱۸ھ میں چھپا - ۱۳۳۷ھ میں وفات پائی [۲] - کلام میں آئیں کا رنگ اور ہوساختگی اور ندرت ہے - جذبات کی ترجمانی خوب کرتے ہیں - قافیہ اکثر تازہ اور شگفتہ ہیں، قصائد میں آمد کی کھفت زیادہ نمایاں ہے -

غزلیات

کھینچے اے کلک نقشہ مطالع ابروے احمد کا
سر دیواں پہ چمکے تاج بسم اللہ کی مد کا
کہلا نام اسم سے اللہ کے مجھ کو محمد کا
یعا لام مشدد سے ملا میم مشدد کا
نشان نقش پا ہے فہرت نور ید بیضا
چراغ طور پروانہ ہے شمع روے احمد کا
بہار گلشن فردوس پھر جاتی ہے آنکھوں میں
تصور رنگ لاتا ہے ترے روئے کے گلاب کا
کہے گادیکہ کردیواں مجھے مستشر میں اے "قیصر"
جگہ دو خلد میں مداح آیا ہے محمد کا

[۱]—الہ آباد میں "دائرۃ شاہ علیہم" انہیں کے نام سے ہے - سخن شعرا میں انہیں "شاہ علیہم اللہ" لکھا ہے -

[۲]—"لغت جگر" پیدائش کی ' "آہ شاہ شاعران" قیصر" وفات کی تاریخ ہے -

اللہ دے شان مسکن ذیشان مصطفیٰ کرسی سے بھی بلند ہے ابوان مصطفیٰ
 سایہ کرے کی نور خدا بن کے حشر مہیں اللہ دے شان وسعت دامن مصطفیٰ

جبہ سا ہو در سلطان اُمم پر اے دل سیدھا ہوتا ہے وہیں جا کے مقدر اُلگا
 خضر دل دیر سے کعبہ کو لہے جاتا ہے راستہ مجھ کو بتاتا ہے یہ رہبر اُلگا

پھر آج سوے گلشن جھونکا چلا خزاں کا اللہ ہے نگہاں بلبل کے اُشہاں کا

مکہ دکھانا ہے خدا کو بھی ، یہ اندھیر نہ کر
 حشر کا دن بھی کبھی ، اے شب ہجران ، ہوگا
 قطع ہوگا نہ کبھی سلسلہ پردہ دری
 اپنا دامن ، جو پھٹے گا ، تو گریباں ہوگا

چومے نہ فتح پائے ید اللہ کس طرح خیر کشا تھی قوت بازوے مرتضیٰ

مہیں نہ جانا لے گیا دھوکے سے جنت مہیں مجھے
 سامنے رضواں نے تھرے کھر کا نقشا کر دیا

کھل گئیں صورت گل جامے نو کی کلیاں رنگ لایا ترے دامن سے لہت کر سہرا
 قرط شادی سے سماتا نہ مہیں پوراہن مہیں اپنے جامے سے ہوا جانا ہے باہر سہرا

پھیلانے پائو ، ہاتھ مہیں جب دل لیا مرا نزدیک ہو کے یار کو دیکھا ، تو دور تھا
 اللہ دے پھنودی ، نہ ہوئی کچھ خبر مہیں اُنی خزاں ، گذر گئی فصل بہار کب ؟

جب چلی باد مخالف ، ایک دم مہیں مت گیا
 جسم خاکی بھی مرا تھا نقش تعمیر حباب

مانع آہ و بکا ، دشمن فریاد مہیں آپ
 سچ تو یہ ہے کہ غضب کے ستم ایجاد مہیں آپ

وہ ہوا کھاتے مہیں فیروں کو لہے گلشن مہیں
 اور اے حضرت دل ، مفت مہیں برباد مہیں آپ

ہمارے دیدہ بہدار ہم سے کہتے مہیں مہیں کبھی نظر آئی نہ خواب کی صورت
 تھہرتھہر کے بھوک ، اے فراق کے شعلے ، مزا یہی ہے بھنے دل کباب کی صورت

کہا کیا مکان میں تھرے لہے اے جمال یار
دل میں چمک ملی تجھے آنکھوں میں گھر ملا
فلت میں ہاے ہوئی آخر تمام عمر
پہری میں بھی نہ رقت نماز سحر ملا

اے شمع جاں ہے بعد ترے قصر تن میں کیا؟
جب تو نہیں تو اور ہے اس انجمن میں کیا؟

غضب ہے شام ہی سے وصل کی شب دل دھوکتا ہے
خدا جانے کہ ہوگا حال کیا وقت سحر اپنا

جلد دکھلا سحر وصل کی صورت یارب
دل شب ہجر بتاں سے مرا گھبرا اٹھا

خوب مہرے حال سے واقف میں اے دل چشم و گوش
لطف دونوں کو ملا ہے نامہ و پیغام کا

ملا لہو مجھ کھوں خار نہ ہو سہر چمن؟
کوچہ یار ہی چھوٹا تو گلستان کس کا؟

آج ہی دست درازی جلوں دیکھتے ہیں
پردہ رہ جانا ہے اے جھب و گریباں کس کا؟

کر کے بسمل نہ مجھ شمع سحر جاننا
خانہ چشم میں دھوے مرے پردہ ہے یہاں

یار نے خواب میں دیدار دکھایا ہے وہاں
لا تصور میں کسی شمع کا جلوہ اے دل

تھنغ ادا کے وار اُٹھاتے نہ کس طرح؟
رہنا بتوں نے دل کا کیا اس لیے پسند

وہ شرم سہہ کاری سے ہر دم سر گریباں میں
خدا کے سامنے اے دل حجاب آیا تو کیا آیا؟

سوچتا ہوں کوئی پہلو نہیں ملتا مجھ کو :
دل مرے ہاتھ میں آ جائے تمہارا کہوں کر ؟

کوئی جاں بر نہ ہوا عاشقِ شہدا ہو کر
جان لی آپ نے گتلوں کی مسیحا ہو کر ؟
جان کر تھیں کسی صاحبِ محفل کا مجھے
ناز کوئی ہے شبِ ہجر بھی لہلی ہو کر
راہِ پر اُن کو نہ آنا تھا ، نہ آئے ، انسوس !
ہم یہاں مت بھی کئے نقشِ کف پا ہو کر ؟

سختیِ نزع کے صدروں سے ہوا چھٹکارا موت آئی تھی مرے پاس مسیحا ہو کر
حشر برپا نہ کرے آپ کی رفتار کا ناز دیکھو دیکھو ، اچھا نہیں ہر بار کا ناز
داسِ کل کی ہوا چاکِ نفسِ نگ لے جا اے صبا ، تو ہی اُٹھا مرغِ گرفتار کا ناز
مجمعِ کافر و دیلدار وہیں رہتا ہے کوچہٴ یار میں ہے دیور و حرم کا انداز
دیکھو کتنی ہے دلِ شبِ ہجر اُن کیسے آج بیدار ہے مرے رنج و الم کا انداز

ہجر رہتا ہے وصالِ بت ترسا کے عوض
موت آئی ہے مرے پاس مسیحا کے عوض
دلِ مجنوں سے یہ ہر بار صدا آتی ہے
ہائے ، میں کہوں نہ ہوا محفلِ لہلی کے عوض

لہریز اُس کے دم سے میں مے کی گلابیاں
”تھوڑا“ مجھے ہے ساقیِ گلہام سے فرض

خیمِ مے بھر خدا ملے سے لکا دے ، ساقی
ہوئی سہری نہ مجھے ایک ہی چلّو میں فقط

اللہ اللہ دے ناگہرِ شرابِ عرفان وجد میں جہوم رہا ہے سرِ ملہرِ واسط

ملہ خیم کا پھیرِ شوق سے تو جام کی طرف
ساقی نہ دیکھ کر دھنِ ایام کی طرف

تو عشق جائے نہ ، اے شاہِ خواباں ، وہ سایہ افکن ہمارے محبت
نہیں کچھ یہ موتوں شاہ و گدا پر جسے چاہے بلند بناے محبت
مرا درد دل اُس مسکھٹا کو لایا مرض ہو گیا خود دوائے محبت

کہول کر ہم دل کہیں گے خوب حال زار آج
رحم پر آیا ہے برسوں میں مزاج یار آج
شب کو تھے وہ ہم بغل وقت سحر کچھ بھی نہ تھا
سہل گل تک زندگی تھی ، ہوئی دشوار آج

شوق دیدار بڑھ گیا حد سے روزِ معشر کا انتظار ہے آج
بے نیازی کا ہے فرور اُنہیں کوئی بلندہ جو بیقرار ہے آج
رخ گلگوں ہے پُر عرق اُن کا کہا تپکتی ہوئی بہار ہے آج؟

وصل میں فہی آگیا ہے تابِ نظارہ نہیں
وہ تو نزدیک آگئے ہیں پر ہمیں ہیں دور آج

سبکدوش تھے گلدستہ گلزارِ نبوت تھی ایک میں ہوا ایک میں تھی خورے مستند
اے چرخ آج شب کو چڑھیں گے وہ بام پر دعویٰ ہو کچھ تو تو بھی زمیں پر اُتار چاند
اکسیر ہوا خواب ، مقدر مرا جاگا ، سولے میں ملی دولت دیدار مستند
ہاتھ رکھا جو بدن پر مرے تپ دور ہوئی دستِ جاناں کی لکھروں کو میں سمجھا تعویذ
کہا میں ”قہصر“ کہوں کس چہن سے گزری شب وصل
رات بھر ہمارا دھما مہرے گئے کا تعویذ

روح آنکھوں میں چلی آتی ہے آنسو ہو کر پھر لہتا ہے نکالیں جو خفا تو ہو کر
ہجر ساقی میں جو پیغاموں کہی ، اے ”قہصر“
مے گلدار ڈپک جاتی ہے آنسو ہو کر

مجھ کو چہرے نہ اُٹھتی تھیں کہی شرم سے جو
اب اُنہیں آنکھوں نے سہکھا ہے اشارا کہوں کو
چہن آنا نہیں ہے آپ کے دیکھ اس کو
دل بہتاپ پہ قابو ہو ہمارا کہوں کو؟

صبا نہ چاہیں گے اس سال لالہ زار میں ہم
 کہ اپنے داغوں سے گلشن ہوئے بہار میں ہم
 صبا کی طرح پتلیوں کی شکل ہو کی دوش
 ہر ایک رنگ سے جاتے ہیں بزم یار میں ہم
 جفا کی خو ہے انہیں ہم وفا پہ مرتے ہیں :
 نہ اختیار میں وہ ہیں نہ اختیار میں ہم
 ہوا شباب میں برباد گلشن ہستی :
 بزرگ ہوئے چمن آرزو گئے بہار میں ہم

دل ہے کہاں، جگر ہے کہاں، ہوش ہے کہاں ؟
 مدت گذر گئی کہ کسی کی خبر نہیں
 کرلیں گے درد سر کا ہم اپنے علاج بھی :
 دیوار آپ کی نہیں، یا سنگ در نہیں ؟

بلے شمع و زاهد بھی اُس بت کے بلندے کہاں رام ، اللہ والے ، ہوئے ہیں ؟
 بتوں کے ہے جلوے میں شانِ الہی برہمن بھی اللہ والے ہوئے ہیں
 گدھاؤں کی ، ” قیصر “ ندامت ہے ہم کو :
 گریباں میں سر اپنا ڈالے ہوئے ہیں

وہ سنتے کیا ، عجیب کمبخت افسانہ ہمارا ہے
 زبان پر آگیا تھوڑا سا ، باقی رہ گیا دل میں
 وہ بحرِ حسن کہتا ہے کنارہ کش ہو وصلت سے
 کوئی دریا کہی سوتا نہیں آغوشِ ساحل میں
 نگاہِ شمع اُن کی جب نکل آتی ہے پردے سے
 چھو اُس کو چھپا لیتی ہے اپنی آنکھ کے تل میں
 پے فریادِ محشر میں نہ خالی ہاتھ جاتے ہیں
 رگ جاں کا لہو بہر لہیں گے اپنے شہسہ دل میں
 مری آنکھوں کے پردے دیکھتے کہا کام آتے ہیں
 چلے آتے ہیں وہ اِن کھڑکوں سے خانہ دل میں

بہت تاب کر دیا یہ اسہری کے شوق نے
خود مرغِ روح آرزو کے گہا دام کی طرف
دنہائے بے گہات پہ تکیہ نہ کر کبھی
اے دل، خہال چاہوئے انجام کی طرف

کیا جانتے تھے باغِ جہاں خار زار ہے
پچھتائے آئے گلشنِ ایجاد کی طرف
کوچے میں تھرے اشک کے مانند ہم گرے
تو بھی تو آئے دیکھ اس افتاد کی طرف

دیکھیں اُٹھتا ہے حجابِ رخِ تاباں کب تک
نظر آتا ہے چراغِ تہ داماں کب تک

گو قضاہت سے نہیں اب طاقتِ رفتار تک
لو کھڑاتے جاؤں گے لہکنِ درِ خمار تک
یوں نہ مہری خاک کو بہرِ خدا برباد کر
اے صبا، لے جا آرا کر کوچہٴ دلدار تک

بدن میں بادۂ کھوں کے جو اُونٹتا ہے لہو
کہاں سے آگئی سانی تری شراب میں آگ؟
حرارتِ تپِ ہجران سے جسم پھلکتا ہے؛
لگی ہوئی ہے دلِ خانماں خراب میں آگ

بلبل میں منجھ میں فرقِ بہار و خزاں کا ہے
میں مبتلا ہوں آپ کا وہ مبتلاے گل
یارب برا ہو سرِ سرِ خانہ خراب کا
دو دن چمن میں چمن سے رہنے نہ پائے گل

زنداں میں لے جانے لگا، دمِ فم سے گھورانے لگا، سنبھل میں اُلجھانے لگا اندھیر دیکھانے لگا
دل پیچ میں آنے لگا، زنجیر پہنانے لگا، سر پر بلا لانے لگا، اُس کاکل پیچھاں کا خم
دوری میں تھری زارہوں، باغِ جہاں میں خارہوں، مدت ہوئی بیمارہوں، بے مونس و غمخورہوں
آنکھوں سے دریابارہوں، مجبورہوں لچارہوں، اب زیست سے بھزارہوں، سہلے میں گھبراتا ہے دم

آپہی کعبہ مقصود تک کس طرح پہنچوں گا؟
شکستہ پاہوں، دور افتادہ ہوں، گم کردہ منزل ہوں

چہرے میں سر بسر تلواروں میں اپنے خاں نا کامی
تمنا میں تری، اے حسرت ملزل، تڑپتے ہیں

توہی خوشبو آرا لائی ہے اُن کے ہاسی ہاروں کی؛
صبا، ہم تہرے ہی سر آج یہ سہرا سمجھتے ہیں

ہم اپلی جان سے گذرے، تو یہ کھلا عقدہ :
چھوٹی ہوئی تھی اجل یار کے تغافل میں
خزاں کے آتے ہی گلشن کا رنگ اور ہوا :
نہ عذرا لب چمن میں، نہ رنگ ہے گل میں

تجہ کو بے فائدہ اُمید مسیحا سنی ہے ؛
کب دوا تیری وہ اے درد چکر، کرتے ہیں؟

کہلتا نہیں ہے : وہ کسے چھوٹا بلاتھیں گے ؛
آئینہ بلدی کرتے ہیں اپنے مکان میں

ہمارے گھر کا پتہ پوچھتے ہیں لوگوں سے ؛
کچھ اب تو راہ پہ، اے دل، وہ آتے جاتے ہیں
ہمیں تو اُن کے مقدر پہ رشک آتا ہے
جو اپنے طالع خدے چکاتے جاتے ہیں

خدا کے واسطے، اے جذب دل، انہیں تھہرا ؛
غصب ہوا کہ وہ قابو میں آئے جاتے ہیں

ہے مستوی مہرہم حباب لب دریا دم بھر کے لمحے سر نہ اُٹھا بھر لیا میں

دنہائے دہوں کا رنگ نہیں ایک طور پر :
اس باغ میں بہار کہیں ہے، کہیں نہیں
ای خراب ہو گیا ہے مجھے عالم شباب ؛
اب تھونڈتا ہوں میں، وہ زمانہ کہیں نہیں

دبا کر فہر کا پہلو ' نہ ہونگا اپنی محفل میں
 کہا مانو ' مری جاں ' درد اُٹھتا ہے مرے دل میں
 خدا کی یاد کے پردے میں اک بت کی پرستش ہے
 چھوڑ دیکھا ہے بے پناہ بھی میں نے کعبہ دل میں

نقوش بوریا میں ' نقش پا میں ' نقش باطل ہیں
 ہم اپنی خاکساری سے مہادیو کے قابل ہیں
 لہو روئیں نہ کہوں کر طالب دیدار کی آنکھیں
 مقدر کی طرح سے پھر گلی میں یار کی آنکھیں

تھک میں بھی نہ چھٹا سلسلہ خاموشی
 گل ہوا خانہ زنجیر سے باہر کس دن ؟
 آپ ' فرماؤ ' کب تھے نہ بتوں کے بلندے ؟
 کشور دل پہ حکومت رہی "قیصر" کس دن ؟

اے جلوں ' دست دراڑی کا تری خوف نہیں :
 نہ تو دامن ہوں کسی کا ' نہ گریباں ہوں میں
 وعدہ روز ازل نہیں نہ سکا غفلت سے :
 شرم عصیان سے نہ کہوں سر بے گریباں ہوں میں ؟
 گل ہوا چاہتا ہے غم سے چراغ ہستی :
 دم کا مہمان ترا ' اے شب ہجراں ' ہوں میں

وقفہ نہیں ہے دم کا بقاے حباب میں
 کوا بے ثباتیاں ہیں جہان خراب میں
 اصرار مجھ کو ' وصل سے ' انکار ہے آنہیں :
 کہا لطف ہو رہے ہیں سوال و جواب میں !

پڑے سوتے ہیں سب ' احوال سوز دل نہیں کہتے :
 چراغ زندگی خاموش ہے گور فریباں میں
 عہت دیر و حرم کی فکر میں برباد ہوتے ہو ؟
 چلو "قیصر" دھو تم خاک بن کر کوئے جاناں میں

پرستش نے تمہاری دین و دنیا سے ہمیں کھویا :
 بگو ، کہتی ہے اب ساری خدائی برہمن ہم کو
 ہوئے چھراں سحر کو دیکھ کر ہم شام قربت میں ؛
 بہت روپا کھے ، یاد آگئی صبح وطن ہم کو

اے داغ عشقی ، خانہ دل کو فروغ دے ؛
 وہ گھر ہے بے چراغ کہ جس گھر میں تو نہ ہو

اے یار ، چہرہ اپنی تلون مزاجوں
 دشمن کی دوستی سے ہمارا عدو نہ ہو
 آیا ہے بھول کر ، تو ادب دے نہ ہاتھ سے
 زاہد ، یہ بتکدہ ہے یہاں قبلہ دو نہ ہو

طول ہے روز قیامت سے کہیں بڑھ کے تیرا ؛
 کب ہے اُمید سحر ، اے شب ہجران ، مجھ کو ؟
 ضعف اب حد سے بڑھا ہے مدد ، اے جوش جلوں ؛
 طوق آہن ہے ہر اک تار گریباں مجھ کو

یہی فتنے جگاتی ہے ، یہی محشر اُٹھاتی ہے
 قیامت کے طریقے یاد ہوں رفتار جانناں کو

بزم میں عالم حیرت ہے تیرے جلوے سے :
 صف کی صف نقوش بہ دیوار ہے ، اللہ اللہ !

ساقی سے ایک جام بھی پیا یا نہ بزم میں
 ہم پانی پانی ہو گئے اپنے بڑھا کے ہاتھ

کشا کھیں میں میں وہ بھی ، میں بھی مقتل میں تویتا ہوں
 مجھے ہے زخم دل کی فکر ، اُن کو اپنے پھل کی

ہے رنگ مرا نوع دگر ، دیکھ تو لہتے ؛
 در پھیں ہے جلّت کا سفر ، دیکھ تو لہتے

ٹھہری دیوار تلے حشر بھا رہتا ہے :
 مہرے نالوں میں قہامت کا اثر ہے کہ نہیں ؟
 حضرت دل شب فرقت میں جو گھبراتے ہیں
 مجھ سے کہتے ہیں کچھ اُمید سکرے کہ نہیں ؟

فرور حسن ہے ، اٹکھلیوں سے چلتے ہیں
 وہ مسست ناز ہیں ، جام شراب ہیں آنکھیں

ساتھا ، توڑ نہ شہسے کو ، نہ پھانے کو
 باب توبہ کی طرح کھول دے میٹھانے کو
 خون ناحق کا عبت شمع پہ ہوتا ہے گماں
 انہیں عشق جلا دیتی ہے پروانے کو

تھرا ہی تو ہے کعبہ و بیتخانے میں جلوہ :
 توہی نظر آتا ہے میں جاتا ہوں جدھر کو

قصۂ عاشق و معشوق رہے گا تا حشر :
 جائوں گے پیسے خدا دست و گریبان دونو

اک آن میں ادنیٰ کو بنادیتی ہے اعلیٰ :
 اللہ کی سرکار ہے ایسی کہ نہ پوچھو

واں آنے میں حاجت ہے ، یہاں دم ہے لبوں پر :
 مشکل مری دشوار ہے ایسی کہ نہ پوچھو

ہکلا کے الجھتے ہیں تمہارے لب شہریں :
 آپس میں یہ تکرار ہے ایسی کہ نہ پوچھو

دھجھیاں دامن دل تک کی آزا ڈالیں گے
 اے جنوں ، چاک تو کرنے دے گریبان ہم کو

شباب ، بال کا باندھا ہوا ، چلا آئے :
 دھے نہ نام کو پھری ، خضاب ایسا ہو

ازل سے ہوگیا ابتر مرا مجموعۂ خاطر
مجھے تقدیر نے اُچھا دیا زلف پریشاں سے
خدا کے واسطے جھٹکا نہ دے ' اے کلمہ دن ' اس کو
ہزاروں حسرتوں لہٹی ہوئی مہیں تھوڑے داماں سے

ملظور ہے یہ گردش لہل و نہار کو : فرقت کی رات وصل کے دن سے بڑی رہے
"قصر" نہ جائے دل سے ہجوم غم حسرتوں
یہ فوج عمر بھر مجھے گھوڑے کھڑی رہے
آئے والے مہیں وہ خبر کے لئے : بیٹھو دی آج بھٹکے نہ کرے

وہ موحد ہوں کہ دن رات دعا کرتا ہوں :
کوئی دل مہیں نہ رہے میرے ' توہی تو ہو جائے
تمہاری زلف پہ سر اٹا جا کے وار آئے :
چوہا تھا سر پہ یہ سودا ' اسے اُتار آئے

لائے ئی اُنہیں کھیلچ کے اک دن کشش دل
کب تک سرے ملے سے وہ انکار کریں گے

اے صلم بندے ہوئے تیرے ' خدا کو بھولے
ملہ دکھانے کی کوئی حشر مہیں صورت نہ رہی
پا بہ زنجیر ہوئے ہم ' وہ ہوئے پردہ نشیں
اُن سے اب کوئی ملاقات کی صورت نہ رہی

یہ جو سن پایا ہے : ملے مہیں وہ کچھ حال فراق !
لب پہ پہلو سے دل پر اضطراب آئے کو ہے

زاہد کو پوچھے دیکھ کے رندوں نے یہ کہا :
کہتے ' مے طہور کی خواہش وہ کیا ہوئی ؟

عدم کے نہ مسدود رستے رہے ' زمنوں کے تلے شہر ہستے رہے
دلہنوں سے وہ روز ہلستے رہے مگر عمر بھر ہم ترستے رہے

ایک روز تو آجاؤ، بتو، کعبہ دل میں ؛
 کہا نور ہے، اللہ کا گھر دیکھ تو لیتے
 کعبہ ہے وہی، دیر وہی، دل بھی وہی ہے
 کہوں تو کہیں کھاتے ہیں بشر؟ دیکھ تو لیتے

شہادت تیرے ہاتھوں گر مہسر ہو، تو بہتر ہے؛
 ترے قدموں پہ اے قاتل مرا سر ہو، تو بہتر ہے
 مجھے سونے نہیں دیتا لحد میں وعدۂ قودا ؛
 آہی، آج ہی سامان معشر ہو، تو بہتر ہے
 حرم میں جا کے خالق سے بتوں کا کھجھہ شکو
 یہ ذکر خیر ہے، کعبہ کے اندر ہو، تو بہتر ہے
 نہیں اُٹھتی کسی صورت آہی سختی ہجران
 مرا بھی دل بہتوں کی طرح پتھر ہو، تو بہتر ہے
 جسے دونوں جہاں کی حق نے بخشا ہے شہنشاہی
 اُسی در کے کُدا، تم چل کے، ”قہصر“ ہو تو بہتر ہے

وہی نزدیک راہ وادی پر خار تہوڑی سی ؛
 مدد کر، اے جلوں، مہری دم و فتار تہوڑی سی
 بہت ہے اشتہاق جلوۂ دیدار آنکھوں کو
 دکھاتا ہے تجلی دوزن دیوار تہوڑی سی
 جہاں تک دیکھنا ہو، دیکھ لے اُس ماہِ قابل کو
 رہی اب رات بھی، اے حسرت دیدار تہوڑی سی
 بلا سے دم نکل جانا، نکل جانا نہ خلجی ؛
 مگرچی بھر کے تجھ کو، اے ستمگر، دیکھ تو لیتے

بادۂ بیخودی پہا جس نے ؛ پھر کسی کی آئے خبر نہ ہوئی
 جان لی صدمۂ جدائی نے ؛ بے ترے زندگی بسر نہ ہوئی
 تیرے قامت کا ذکر گھر گھر ہے یہ قیامت کدھر کدھر نہ ہوئی؟
 زندگی کٹ گئی شب ہم میں ؛ نہ ہوئی آخریں سحر، نہ ہوئی
 بے زہل ہے فقط یہ کہنے کو ؛ شمع خاموش رات بھر نہ ہوئی

طلہہ کی سمیت لے کے چلے اے جرشہں چلوں
آلجھا دے واں مجھے کسی صحرا کے خار سے

دے کے سر ' لے در قاتل کی زمیں تھوڑی سی
 ہمت اے دل ' تجھے لازم ہے یہیں تھوڑی سی
 در جاناں پہ جو سجدہ نہیں کرنے پاتے '
خاک مل لگتے ہیں ہالے جہوں تھوڑی سی

اُن کا ہنسنا بھی مہسی مل کے بلا ہوتا ہے :
 برق گرتی ہے جو یہ ابر گہرا ہوتا ہے
 اوج اقبال پہ جب بخت ہما ہوتا ہے
 تجھ پہ ' اے بادشاہ حسن ' فدا ہوتا ہے
 کیا کہوں ' حال شب ہجر میں کیا ہوتا ہے ؟
 اے بگو ' لب پہ مرے نام خدا ہوتا ہے
 آدمی قبر میں کس طرح نہ غافل سوئے ؟
 کیا کرے ؟ منزل ہستی کا تھکا ہوتا ہے
 زندگی میں تو عبادت کو نہ آئے مہری ؛
 آ کے اب قبر پہ روتے ہو ' تو کیا ہوتا ہے ؟
 ایک سا درد محبت کا ہے گھٹلا بڑھلا :
 کم بھی ہوتا ہے ' تو کمبخت سوا ہوتا ہے
 سر مرا وقف دم توغ قضا ہوتا ہے ؛
 آج یہ سجدہ شکرانہ ادا ہوتا ہے

خاک ہوں گے ' خاک سے ریگ رواں ہو جائوں گے
 اِس طرح معصو تلاش رفتگاں ہو جائوں گے
 میں نظر کے سامنے کونہیں کے جلوے یہاں ؛
 وہ کہاں مہری نگاہوں سے نہاں ہو جائوں گے ؟
 چار ہی دن کے لئے آؤ تین مہجور میں
 ورنہ ارکان عناصر رائگاں ہو جائوں گے

یہ دعا ہے مری: جب نزع کا ہلکام آئے
نام ہو لب پہ ترا ، دل میں تری یاد رہے

جانب ملک عدم بہتے ہیں چلنے کے لئے :
آئے ہوں جامع ہستی کے بدلنے کے لئے
اُن کے کوچے سے جو جانا ہے جنازہ مہرا ،
حکم دیتے نہیں کاندھا بھی بدلنے کے لئے
نزع میں حسرت دیدار کا یہ مجمع ہے :
روح گہرائی ہے آنکھوں سے نکلنے کے لئے

ملتے موسیٰ تو میں کہتا (یہ سوال اچھا ہے) :
طور اچھا ہے ، کہ وہ برق جمال اچھا ہے ؟
دیکھنے ہی کے مسوہکا ہو تم ، اے جان جہاں :
دم ہے آنکھوں میں مرا ، کہتے ہو حال اچھا ہے
میں بھی راضی برضا ہوں ، نہ کروں گا شکوے
آپ جو خواہش میں اُسی میں ، تو ملال اچھا ہے
کر رہا ہے روں باغ جنس کے اوصاف
یہ بھی چلتا ہوا زاہد کا خہال اچھا ہے
مرض عشق مرا کام کچھ جانا ہے :
وہ ، بہر حال ، یہی کہتے ہیں حال اچھا ہے

غول حوروں کے شب معراج ، اتراتے ہوئے :
خلد سے نکلے ، مبارک بادیاں گاتے ہوئے
اے نسیم گلشن طہرہ تصدق میں ترے
جائیں گے ہم باغ جنت میں ہوا کھاتے ہوئے
تیرے بندے کب رکھیں گے خلد کو جاتے ہوئے ؟
خط غلامی کا ، چلے جائیں گے دکھلاتے ہوئے
تیرے گھر میں مجھ کو لے جانا تھا ، کعبے لے گئے :
خضر بھی کھا خوب بہتکے راہ بتلاتے ہوئے ؟
تجہ پہ کیا دھونی دماؤں ، اے مدینے کی زمیں ؟
فرق آئے گا ادب میں پانو پہنلاتے ہوئے

نہیں معلوم ہوتی پردۂ غفلت میں انسان کو
قصا روزِ ازل سے زندگی کے ساتھ آئی ہے

زمین پہ لوٹ رہا میں، خسار کم کیا ہے؟ بہت ہے، نشئۂ مے کا آثار کم کیا ہے؟
بگو، نہ روگ دو آنکھوں کو اشکباری کا، یہ ایک عارضۂ انتظار کم کیا ہے؟

ہے سہہ بختی قسمت کا اگر طول یہی،
بڑھتے بڑھتے ترے گیسو کے برابر ہو گی
سننے میں، آتے ہیں ملتے وہ گئے، اے "قصو"
لے مبارک ہو تجھے، عہدِ ترے گھر ہو گی

قاتل، روہ نہ سیکہ قیامت کی چال کی، متی خراب ہوئی دل پائمال کی
مہرا غبارِ ہام پہ اک ماہ کے گہا: صورت زوال میں نظر آئی کمال کی
یوں مہکدے میں آج مجھے تازہ کام کر: دے ساقیا، شراب کوئی پار سال کی
طول شبِ فراق کی کچھ انتہا نہیں، کیونکر امید ہو مجھے روزِ وصال کی

تم اپنا آج سرِ شام کھول دو جوڑا، درازی شبِ فرقت کی انتہا ہو جائے
وفا کی شرط قیامت کے روز ہی یہ کرد: تمہارے وعدۂ فردا کی انتہا ہو جائے
بقوں کے وعدۂ فردا کا اعتبار نہیں: خدا نخواستہ کل یہو مزاج کھا ہو جائے؟

دیکھو ہلالِ ابروے جانان، پیو شراب: اے بادۂ خوارو، عہد کا روزہ حرام ہے

ہوا ہے خلی، جہاں میں، ہر اک فنا کے لیے؛
بقا فنا کے لیے ہے، فنا بقا کے لیے

میں ابتداءے محبت میں ہجر کے صدمے؛
کچھ انتہا بھی ہے، ظالم، تری جفا کے لیے؟

میں کس امید پہ فرقت میں زندگی کا توں؟
کہ کوئی وقت معین نہیں قصا کے لیے

جو آئے ہو مرے گھر میں، تو کچھ ہلسو ہولو؛
نہ بت بلے ہوئے بھتے رہو خدا کے لیے

نہ پایا دیر و حرم میں بھی آپ کو تنہا؛
کہیں جگہ نہ ملی عرضِ مدعا کے لیے

اُڑا لائی ہے تو خوشبو کسی کے باسی ہاروں کی !
 یہ سہرا آج ' اے باد بہاری ' تیرے ہی سر ہے
 مرادل دل میں اُس بہت کے ہے اُس کا دل مرے دل میں :
 کبھی پتھر میں شہشہ ہے : کبھی شہشہ میں پتھر ہے
 بدن میں جان آجانی ہے دندان قدح کھ کے !
 ترا دیدار ' اے ساقی ' شرابِ روح پرور ہے

وصال یار کے لے لو مزے ' سہدھا مقدر ہے :
 چھا بھی آج فرط شوق میں جامے سے باہر ہے
 خدا جانے وہ بہت ملتھاہواں بھی کیا نہیں ملتا !
 چلا تو ہوں حرم سے دیر کو ' آگے مقدر ہے
 دلِ اہل صفا ہرگز مکدر ہو نہیں سکتا !
 ہر اک کو ایک سادیکہ ہے : یہ آٹھنے کا جوہر ہے

سوئے دیا نہ وعدہ فردا نے قبر میں :
 خوابِ عدم سے چونک پڑے ' آٹھ کھڑے ہوئے
 ہر دم ہے اپلی ' منزل مقصود پر نظر !
 پہنچے عرب میں ہند سے ' جب آٹھ کھڑے ہوئے
 مرقد سے سوئے حشر طلب جس کھڑی ہوئی
 دامن کو اپنے جہاز کے ہم آٹھ کھڑے ہوئے
 ایک دن تو پائمال کر ' اے آفتابِ حسن
 سائے کی طرح میں ترے در پر پڑے ہوئے
 اے آہ ' جلد شور قہامت دکھا مجھے
 مدت گذر گئی ہے بعد میں پڑے ہوئے

رہے گی واں بھی کھفت خیال چشم ساقی میں !
 سر کوثر بھی لطف جام صہبا ہم آٹھائیں گے
 چہا رکھیں گے عشق مصطفِ رخسار کو دل میں !
 قہامت تک نہ اِس کعبے کا پردا ہم آٹھائیں گے

اپنی ناکامی سے برباد رہے دنیا میں ،
 خاک بھی ہو کے نہ ہم آپ کے در تک پہنچے
 اب دالے کی کشش ہو گئی دشمن آخر
 پہنچنے کے ہم دام میں صیاد کے گھر تک پہنچے
 شکر صد شکر نمازوں میں لگی راہِ حرم
 بہتہ بہتہ اُتھتے ہم اللہ کے گھر تک پہنچے

عدم کا راستہ کھونکر گئے کا ؟ گدے کا بوجھ ہے ، ملزل کڑی ہے
 صورت سبزہ ہم رہے پامال ، باغِ عالم میں سر اُٹھا نہ سکے
 خانہ دل میں آگِ فرقت کی وہ لگا تو سکے ، بجھا نہ سکے
 دکھائے پائے نہ سر ترے در پر ؛ اپنی تقدیر آزما نہ سکے

ناتوانوں کی ترے خاک نہ ہوگی برباد
 چشم بد دور میں نیچے ترے دامنِ کلمے ؟

کعبے میں تھونڈتے تھے کوئی ، کوئی دیر میں :
 اُس بت کی جستجو میں خدائی خواب ہے
 نا حشر خلتگانِ عدم چونکے نہیں
 سچ ہے یہی کہ موت ، قیامت کا خواب ہے
 روزِ جزا کا تو ہے ، نہ خوف حساب ہے ؛
 بد مست تھوڑے دور میں ہو شہخ و شاب ہے

ہوں دفن ترے در پہ ، تمنا تو یہی ہے ؛ آگے مری تقدیر ، ارادا تو یہی ہے
 افہار مرے خط کو پڑھیں ، راے مقدر ؛ کہا کیجیے ، تقدیر کا لکھا تو یہی ہے

صلبل سے کام ہے ، نہ غرض دردِ سر سے ہے ؛
 اے بت ، جہنم کو لاگ ترے سلگ در سے ہے
 اے خضر کس طریق سے دستِ حرم کا لوں ؟
 کعبہ کی راہ بھی تو اُسی بت کے گھر سے ہے

مرے گدے تری رحمت سے بڑھ نہیں سکتے ،
 مرے کریم ، یہ پھر کہوں حساب ہوتا ہے ؟

سو رہے ہیں وہ اندھیری گور مہیں ' شمع مدفنِ روتی ہے جن کے لیے

کوئی بخود دے ' چہراں ہے کوئی ' سکتے ہیں ہے کوئی
وہ جب سے جلوہ گر ہیں ' انجمنِ کچھ اور کہتی ہے
وہی باقی نہ پروانوں کو اب امجدِ دلسوزی ؛
جلی ہے جب سے شمعِ انجمن ' کچھ اور کہتی ہے

بہاں ' واعظ ' نہ کر دنیا مہیں رہ کر حالِ عقبی کا ؛
یہاں کا اور عالم ہے ' وہاں کا اور عالم ہے

صدائے خلدۃ کُل سے تری فرقت میں روتا ہوں '
گلستانِ جہاں نظروں میں مہری بزمِ ماتم ہے

حرم میں یوں دھو تم گھر بلانے کے ؛ بتو ' کیا کارخانے میں خدا کے ؟
قیامت تک نہ مانوں گا مہیں ' اے جاں ' نہ وعدے کھجھے روز جزا کے
زلفوں کے بلانے میں بسر کرتا ہے کوئی ' سر پھٹ کے کتکتی ہے شب تار کسی کی

ناز کہتا ہے کہ چلوے حشر برپا کھجھے '
ہے قیامت آپ کی رفتار کس دن کے لیے ؟

دیکھتے ہو مجھے ؟ دیدار کی حسرت کیا ہے ؟
آج گھونگھٹ جو اُٹھا دو تو قباحات کیا ہے ؟

اے ستمگر ' نہ سہی دور کی آفت نہ سہی '
تہرا قیامت تو ہے موجود ' قیامت نہ سہی

رنج کے ' درد کے ' دردی کے ' اُٹھائے صدمے
کون سی ہم نے مصیبت میں مصیبت نہ سہی ؟

اے جلوں ' چاک گر یہاں سے فرض ہے تجھ کو ؛
ہاتھ چلے رہیں گے ' پانو میں طاقات نہ سہی

مذہ پر نقابِ ذال کے آتے ہیں مہرے پاس
دیتے ہیں مجھ کو شربتِ دیدار چہاں کے

پڑے اگر نظر کھمیا اگر تیری
 مثال کوہ طلا دم مہں مہں جہاں کے جہاں
 مدد کرے تری جوائے اگر سر مہداں
 شکار شہر کا کرنے لگے جہیت کے فزّال
 جلائے خرمین جان عدو کو اک دم مہں
 جو برق تیغ شرر دم گردے بوقت جدال
 فلک بھی خم پے تسلیم ہے ازل سے یوہہں
 جھکا رہا ہے سر بندگی ادب سے ہلال
 جو دیکھ لے رہ پرنور کی وہ جلوہ گری
 فلک کو جادے پہ ہو جائے کہکشاں کا خہال
 ملے جو اوج تری درگہ معلّٰی سے
 ابھی ہوا پہ اڑیں طائران بے پروا بال
 کھسی ہے جب در پرنور پر جہیں اُس نے
 ملا ہے مہر کو تب اِس طرح کا اوجِ کمال

قطعہ

زہ اجلال کیا رفعت ہے نقش پائے احمد کی
 کہ جس کے ملک کو اسود کا ہم ہم سنگ پاتے ہوں
 شب معراج پہنچے پانو یہ عرش معلّٰی پر
 یہی قرآن مہں قوسوں کے معلّٰی بتاتے ہوں
 بوا رہے ہے اُس کا جس کے گہرمہں جلوہ فرما ہوں
 سروں کے بل زیارت کو ملک اِس گہرمہں آتے ہوں
 جگہ دیتے ہوں اپنے خانہ دل مہں اُنہوں "قہصر"
 خلیل اللہ سے کہدو کہ ہم کعبہ بناتے ہوں

مغہس

غزل "آتش"

رنگت دکھائی گلشن جنت مقام کی
 شہرت مصوروں مہں ہوئی اُس کے کام کی

قصیدہ

جشن جوبلی ملکہ وکٹوریا

جو بخت خواب میں جاگا تو آگیا یہ خہال
 کہ لکھ قصیدہ وہ جس کا جہاں میں ہو نہ مثال
 ہو مدح ایسے شہنشاہ ہند کشور کی
 ہے رشک مہر مہیں جس کا کوکب اقبال
 ملا یہ مژدہ مجھے جب کہ خضر قسمت سے
 تو میں نے اُس سے بصد آرزو کہا یہ سوال
 پتا پتا مجھے مدوح کا نشان پتا
 کہ تا میں گوہر مقصود سے ہوں مالا مال
 کہا یہ اُس نے شہنشاہ ملک و قیصر ہند
 بوہی ہے نہر تاباں سے جس کی شان جلال
 اُسی شہنشاہ عالی کا جشن جوبلی ہے
 کہ جس کو تخت حکومت پہ ساتھ ہوں سال
 جوہیں یہ خواہں خبری تابگوں دل پہنچی
 ہوئی زبان کو اس کام کی ' دھن میں مجال
 ہوئے مدد کے لئے فکر و ذہن بھی موجود
 فلک سے آ کے مضامین ہوئے شریک حال
 جو مجھ کو فضل خدا سے یہ مل گئے سامان
 آرا ہمارے طہمت بھی کھول کو پر و بال
 گذر گیا وہ بلندی سے چرخ چارم کی
 زرا ترقی کو دیکھیں تو اس کی اہل کمال
 لکھ وہ مطلع روشن کہ جس کے پرتو سے
 بنا ہے مہر جہاں تاب ندرے کی تمثال
 وہ سعد ہے ترا سایہ شہ ستودہ خصال
 پڑے گدا پست تو پائے ہمارے کا وہ اقبال
 ہوئی ہے معصو دلوں سے سخاوت حاتم
 ہے جود لبض سے ہر ایک شخص مالا مال

مدتِ نعلی کف پا مجھ کو بلایا تم نے خاک میں خاک نشینوں کو ملایا تم نے
 رحم کیا ہانہ بھی مطابق نہ لگایا تم نے گر پروا میں تو زمیں سے نہ اُٹھایا تم نے
 آسمانِ ثوت پروا مہر وفا کے ادھر

مغشس

غزل ثواب عبدالعزیز خاں

ہر قی اندازیاں کرتی ہے سیاہِ شبِ ہجر
 دیکھو گرم ہے کس درجہ نگاہِ شبِ ہجر
 آنکھیں افروز ہوئی شامِ سیاہِ شبِ ہجر
 چرخ پر آگ لگانے لگی آہِ شبِ ہجر
 صورتِ مہر ہوا سوختہ ماہِ شبِ ہجر
 نام کو بھی فطر آیا نہ کہیں نورِ ظہور
 نہ گھٹی طولِ مہن، رنگت میں بھی آیا نہ فتور
 سب یہ حالات گذرتے رہے آنکھوں کے حضور
 نہ درازی میں کسی کی نہ سیاہی میں تصور
 مہن مرے دیدۂ بیدار گواہِ شبِ ہجر
 مجھ کو ہی تاک لہا ہے مرا دم بھرتی ہے
 پانوں کے بدلے وہ شوق میں سر دھرتی ہے
 مہرے ہی خانۂ تاریک یہ یہ مرنی ہے
 شام کے ہوتے ہی ہر روز کرم کرتی ہے
 گھر مرا ہی ہے مگر زہر نگاہِ شبِ ہجر

اے چشم دیکھ ہے یہ روش انتظام کی
 تصویر کھینچی اُس کے رخ سرخ فام کی
 اک صفحے میں قلم نے گلستاں تمام کی
 پہنچے خموشی لبِ ناداں سے کہا گزند
 کرتے ہیں واہ واہ وہی ' میں جو حق پسند
 رہتا ہوں مدحت ملکوتی سے بہرہ مند
 گھر سے خدا کے ملتے ہیں مضمون مجھے بلند
 فکر رسا کلمہ ہے کعبہ کے بام کی
 اِس تھوڑی سی بساط پہ کھوں کر نہ آنے رشک
 خلعت یہ ہاتھ آیا ہے اِس کو ہر اے رشک
 کھوں دامن کفن پہ نہ ہوں دافہائے رشک
 باغ جہاں میں گل کی قناعت ہے جائے رشک
 عمر دو روزہ ایک تھا میں تمام کی

مخمس

غزل " اعظم "

آہ سوزاں بھی عجب طرفہ بلا ہوتی ہے
 وعد چلانا ہے جس وقت بھا ہوتی ہے
 واں پہنچتی ہے تو بھلی بھی ہوا ہوتی ہے
 خوب آہ دل بہتاب رسا ہوتی ہے
 میں زمیں پر ہوں تو گردوں پہ صدا ہوتی ہے
 دودِ دل کا مرے اب قوس قزح سے ہے عبور
 اے مہ ہرج شرف وے بت غارتگر حور
 دولت عشق تو ہے گو میں نہیں ڈی مقدور
 جانہو مانگ کے سوئے میں نہ متبہ کو مجبور
 کھکشاں تک تو مری آہ رسا ہوتی ہے

طرفہ اندازِ جفا ہے عرضِ لطف و کرم بڑھ گئے اُن کے کہیں حد سے سوا چور و ستم
 اور تو اور پھوک جانا ہے اِس بات پہ دم سرِ فدا کرنے کی جاتہاڑے لہتے ہیں قسم
 ہاتھ رکھواتے ہیں شمشیرِ ادا کے اوپر

اُسی کے جلوے تھے لیکن وصال یار نہ تھا
 مہں اُس کے واسطے کس وقت بھرتار نہ تھا
 خرام جلوہ کے نقش قدم تھے لالہ و گل
 کچھ اور اِس کے سوا موسم بہار نہ تھا
 وفور بھنکودی بزم مے نہ پوچھو 'رات
 کوئی بجز نگہ یار ہوشیار نہ تھا
 لحد کو کھول کے دیکھو تو اب کفن بھی نہیں
 کوئی لباس نہ تھا جو کہ مستعار نہ تھا

نقش پا کو کوئی اُٹھا نہ سکا دیکھلے زور ناتوانی کا
 فہر کا اب گذر نہیں دل تک عشق عہدہ ہے پاسبانی کا
 نہ نمک عشق کا نہ زخمی دل کچھ نہ پایا مزا جوانی کا

ہمدرد کی مصیبت دیتی ہے کیا اذیت
 بلبل نے نالے کھیلچے مہں زار زار رویا

مقدور مہں ہو یوں سب کچھ مگر تدبیر لازم ہے
 کہ اک قطرہ نہیں ملتا ہے بے تدبیر پانی کا

رتبہ پایا ہے مصیبت مہں تو اب دل کو سنہال
 گر پڑے گا صفت برق جو بہتاب ہوا
 جس نے دیکھا تجھے کھاخاک لگے آنکھ اُس کی
 دیدہ رخسہ دیوار بھی ہے خواب ہوا
 شعر وہ نور سے لہریز پڑھے "اُسی" نے
 حلقہ اہل سخن ہائے بہتاب ہوا

پیش نامہ اور انلی بھرتاری کہا کہیں
 سامنے وہ آکھسا وقت شکبائی نہ تھا
 حد جہوت دیکھتا تھا اپنی 'آرائش کے ساتھ
 آئینہ خالی مہں وہ معبود خود آرائی نہ تھا

آسی

عبدالعلیم "آسی" سکندرپور ضلع بلہا کے رہنے والے ' ۱۲۵۰ھ میں پیدا ہوئے۔ طالب علمی ہی کے زمانے سے طبیعت شعر و سخن کی طرف مائل تھی۔ اعظم علی "اعظم" سے تلمذ تھا۔ پچاسی برس کی عمر پاکو ۱۳۳۵ھ میں وفات پائی۔ یہ اپنے وقت کے باکمال بزرگ، جید عالم اور حاذق طوہب تھے۔ ایک مختصر دیوان "عین المعارف" ان کی وفات کے بعد اُسی سال مطبع سلہمانی بنارس سے شائع ہوا ہے [۱]۔

کلام میں "ناسخ" اور "رشد" کا تتبع کیا ہے۔ شوخی، بلند پروازی، بے ساختگی، مناسب و موزوں الفاظ کی تلاش پائی جاتی ہے [۲]۔ تغزل میں جاہجا تصوف کا فلسفہ نظر آتا ہے۔ الفاظ کا اہتمام خوب کرتے ہیں۔ نعت اور مدح میں ایسے اوصاف بہان کلمے ہیں جن سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

غزلیات

تاب دیدار جو لائے مجھے وہ دل دینا
مذہ قہاست میں دکھا سکدے کے قابل دینا
رشد خورشید جہاں تاب دیا دل مجھ کو
کوئی دلبر بھی اسی دل کے مقابل دینا
درد کا کوئی محفل ہی نہیں جب دل کے سوا
مجھ کو ہر مہر کے بدلے ہمہ تن دل دینا

[۱]—دیباچہ "عین المعارف" (دیوان آسی)۔ [۲]—خطبات جارید ج ۱ ص ۶۳، ۶۵۔

چھری بھی تھوڑا ظالم نے نہ کر لی بڑا بے رحم ہے قاتل ہمارا
نہ آنا ہم تمہارا دیکھ لیں گے جو نکلا جذب دل کامل ہمارا
مصحفِ جلوۂ بھونگ ہے دل کہیں پیدا نہیں ساحل ہمارا

ذوقِ غم و اندوہ مصیبت کے مہوں صدقے
جو داغ دیا تم نے وہ جانانہ دل تھا
ذلت اکثر دلیلِ کمالاتِ عشق ہے ”آسی“ سے بڑھ کے کون ڈھیل وزبوں ہوا

نالہ کش جس کے لیے ہر باغ ہر گلشن میں تھا
خوب جو دیکھا وہی گل مہرے پھراہن میں تھا
اس تمنا میں کہ شاید اُن کے دل تک راہ ہو
اس عداوت پر بھی مہوں برسوں دل دشمن میں تھا

بڑھ کے شہِ رگ سے کُلیے ملنے کو وہ آمادہ تھا
ہائے اے وہم غلط آب تک مہوں دور افتادہ تھا

فہم میں اس طرح گریں حضرت موسیٰ سے نبی
جلوۂ طور ضرور آپ کی تصویر میں تھا
اے لحد، ہائے وہ بھتابی شہائے فراق
آج آرام سے سونا مری تقدیر میں تھا

یتا تو جانتے ہیں کہ عاشقِ فدا ہوا اور اس سے آگے بڑھ کے خدا جانے کیا ہوا
اُس کا یتا کسی سے نہ پوچھو، بڑھے چلو فتنہ کسی گلی میں تو ہوگا اُتھا ہوا
گلروہوں کے خہال نے گلشن بنا دیا سیلہ کہی مدیلہ، کہی کرہلا ہوا

پلائی ہے ساقی نے کیسی شراب کہ جو رند تھا یارِ سا ہو گیا

نہ گھرے اُس نگاہ سے کوئی اور افتاد کیا مصیبت کیا
نقدِ ہستی نثارِ یار کرے یہ نہیں ہے تو پھر مصیبت کیا
جاتے ہو جاؤ ہم بھی رخصت ہوں ہجر میں زندگی کی مدت کیا
”آسی“ مست کا کلام سلو

وہظ کیا، پلند کیا، نصیحت کیا

بسانِ آسیا پامے توکل کو نہ لغزش دے
کہ منہ میں آ رہے گا خود بخود تقدیر کا دانا

حالت دل خاک میں کہتا کہ تا ہلکام مرگ
آپ کا شکر جفا یا شکوہ تقدیر تھا
مشق کیا کیا نسبتوں کرتا ہے پھدا حسن سے
زلف اگر شہزنگ تھی نالہ مرا شب گھر تھا
وہ مصور تھا کوئی، یا آپ کا حسن شباب ؟
جس نے صورت دیکھ لی اک پھر تصویر تھا

سجدہ دو جو تمہارا نہ مہسر ہوتا وہی ہم ہوتے، وہی سر، وہی پتھر ہوتا
تم لہٹ جاتے کہیں آکے مرے پہلو سے نالہ شرمندہ نہ، سہلے سے نکل کر ہوتا
مرگھا "آسی" دلگھر بھی انا للہ
مروض عشق سے کوئی بھی تو جانہر ہوتا

ہم تو قزاق تھے کدھر حکم قضا نے بھجھا
بارے، اے بت، ترے کوچے میں خدا نے بھجھا
موقع کسب کمالات وہاں کس کو ملا
وہی اچھے چلے ہیں دنیا میں خدا نے بھجھا
"آسی" نامہ سہے، لائق دوزخ بھی نہ تھا
خلد میں اُلفت شاہ شہدا نے بھجھا

سلوک راہ وفا میں فنا کے طور میں اُرد
جو آپ مار کے تھشہ مرا تو جھک مارا
نہ پوچھو حالت دل اُس غریبی حسرت کی
دکھائی دے جسے ایک ایک قطرے میں دھارا
فراق یار کی طمانت نہیں، وصال محال
کہ اُس کے ہوتے ہوئے ہم ہوں یہ کہاں یارا
اگر بیان حقیقت نہ ہو معجز کے ساتھ
تو شعر لغو ہے، "آسی" کلام نا کارا

فراق میں اس قدر نہ تڑپو ' ابھی تمہیں کچھ خبر نہیں ہے
 بڑھے گی کچھ اور بے قراری وصال میں کامیاب ہو کر
 نگاہیں برجھی نہیں ہوں اُن کی ' کہ فمزہ اُن کا نہیں ہے خلیجہ؟
 کریں گے اقرار خون "آسی" کہی تو وہ لاجواب ہو کر

نہ مہرے دل ' نہ جگر پر ' نہ دیدہ تر پر '
 کرم کرے وہ نشان قدم تو پتھر پر
 گناہ گار ہوں میں ' واعظو ' تمہیں کیا فکر ؟
 مرا معاملہ چھوڑو شمع معشر پر

مرا سنبھلے نلاطم میں بحر عشق کے ہے
 مرا تو جب ہے خدا آئے ناخدا ہو کر

حسن کی کم نہ ہوئی گرمی بازار ہلوز
 نقد جاں تک لہے پھرتے ہیں خریدار ہلوز

ایک عالم ہے کہ مقابل میں ہے قاتل کی طرف
 دھار خلیجہ کی فقط عاشق بھدل کی طرف
 ترک دنیا تو ہے دنیا طلبی سے آسان
 چھوڑ کر سہل ' عہت جاتے ہیں مشکل کی طرف

لب لباب ہے آج تجھ سے تھرے مستعانے کی خاک
 خوب پہچان ' اے بت مے نوہ ' پھیلنے کی خاک
 نا سحر وہ بھی نہ چھوڑی تو نے ' او باد صبا '
 یادگار رونق مصفل تھی پروانے کی خاک

لوواؤ گے کہی نہ کہی علیل لب سے
 اُس کے سوا تو قابلِ اُلفت کوئی نہیں
 گالوں میں رنگ گل ہے تو بالوں میں بوے گل
 ہلہل نے کر دیا مجھے مشتاق دوے گل
 سو گند بے دلوں کی تجھ ' اے خدائے دل '
 دل کی نہ ابتدا ہے نہ ہے انتہاے دل
 تم اور دل میں ' اب تو کہوں گا پکار کر
 پورا کرو پتھر کہہ مدعاے دل
 رہتے ہو دل میں ' واقف اسرار دل ہو تم

میرے جنت مجھ اِس کوچے سے کہوں لے جاتے
جان سی آپ پر ، اے جان ' گنہگار ہوا
ہمت اُس کی ہے ' دل اُس کا ہے ' جگر اُس کا ہے
جان کو بھیج کے تیرا جو خریدار ہوا

کچھ خبر کوچہ جانناں کی بھی ہے ' اے واعظ
عشق بازوں کی ہے جنت تری جنت کے سوا

سخت دشوار تھی معشوق سے عاشق کی شناخت
وصل کی رات نہ تھی ' تھی واطلسمات کی رات
کچھ ہمیں سمجھوں گے ' یا روز قیامت والے
جس طرح کتنی ہے اُمید ملاقات کی رات
اب تو پھولے نہ سمائیں گے کلن میں "اُسی"
ہے شب گور بھی اُس گل کی ملاقات کی رات

کوئی دشمن ہو "اُسی" یا مرا دوست
میں سب کا دوست کیا دشمن ہو کیا دوست
فریب عالم صورت سے بچنا
نہوں کوئی کسی کا جز خدا دوست

وہاں پہنچ کے یہ کہنا ' صبا سلام کے بعد
کہ تیرے نام کی رت ہے خدا کے نام کے بعد
وہاں بھی وعدہ دیدار اِس طرح والا
کہ خاص لوگ طلب ہوں گے بار عام کے بعد
طلب تمام ہو ' مطلوب کی اگر حد ہو
لگا ہوا ہے یہاں کوچ ہر مقام کے بعد
پہام پر کو روانہ کیا تو رشک آیا
نہ ہم کلام ہو اُس سے میرے کلام کے بعد

نہ چہانی مشیت خاک اپنی کسی نے
ہے دل ہی میں وہ کوئے معتمد

میں دل سے اُس شیخ کا ہوں قائل کہ مہکدے میں پڑے تہجد
لگائے مسجد میں نعرے ہو حق کے متحد دور شراب ہو کر

جو دیا تولے وہ سب چہن لیا عاشق سے
شکر اس کا جو نہیں ہے تو شکایت بھی نہیں

ہے اُس میں اور ہم میں آفتاب و شمع کا عالم
وہ جب تک آئے آئے آپ دنیا سے گذرے ہیں

نعلینِ زندگی کا عشق بازی کے سوا کیا ہے
حقیقت میں وہی جیتے ہیں بس 'تجہ پر جو مرتے ہیں
نہ وہ بہتابی دل ہے ' نہ وہ بے خوابی فرقت
لحد میں چہن سے عاشق پڑے آرام کرتے ہیں

دل بہ مدعا پایا ' جو دولت ہو تو ایسی ہو
خدا سے پھر نہ کچھ مانگا ' قذاعت ہو تو ایسی ہو
فرشتے سر چہکائیں تھرے سجدے کو تواضع سے
سن او مٹی کے پتلے آدمیت ہو ' تو ایسی ہو
جہاں ملنے کی تھرے مجھ سے ' میں بھی اے صلم گم ہوں
سوا تھرے نہ ہو کوئی ' وہ خلوت ہو تو ایسی ہو

تمہیں کثرت سے ' غفرت ' اور معفو ذوق وحدت ہو
کچھ اس سے اور بڑھ جاؤ تو وحدت ہو نہ کثرت ہو
نہ ستاری کو شرم آئے نہ غفاری کو فہرت ہو
قیامت میں ترا بلندہ ترے آگے فطہکت ہو
مجھے ہر طرح کی خود ہیلتوں سے کر دے ہنگامہ
جو آئینہ بھی میں دیکھوں نمایاں تھری صورت ہو

تم نہیں کوئی ' تو سب میں نظر آتے کیوں ہو؟
سب تمہیں تم ہو تو پھر ملنے کو چہاتے کیوں ہو
جب نہیں غور کو دیدار دکھانا منظور
صفت پردہ در ہم کو اُتھاتے کیوں ہو

صاف دیکھا ہے کہ فلجیوں نے لہو تھوکا ہے
جس کو دیکھا اُسے چہاتی سے لگائے دیکھا
موسم گل میں آئی کوئی دلگہر نہ ہو
دل جسے کہتی ہے خلقت ' تری تصویر نہ ہو

اللہ دے نور سجدہ شوق ! _____
مے رو تم ہو تو مے چہیں ہم

ادب آموز نکلا معجز راہ آشنائی میں
حباب آسا میں آنکھوں سے چلا بے دست و پائی میں
ہرا کیوں مانوں ہم جو بھیس چاہو شوق سے بدلو
ہماری ہی نمائش ہے تمہاری خود نمائی میں
دل درویش کی گردن ہے دور جام جشیدی
مذاق سلطنت پایا ترے در کی گداہی میں

رات اتنا کہ کے پھر عاشق ترا غش کر گیا
جب وہی آتے نہیں میں آپ میں آتا ہوں کہوں

جھوٹ کہوں کہتا ہے اے قاصد کہ وہ آتے نہیں
وہ اگر آتے نہیں ہم آپ میں آتے ہیں کہوں
یا تو اہل دل سے تھا ہر دم سوال درد دل
اب ہجوم درد ہے دل میں تو کہہ راتے ہیں کہوں
جائے چہرت ہے طلسم اتحاد حسن و عشق
اٹھتے جب دیکھتے ہیں ہم تجھے پاتے ہیں کہوں

بذوں بگولا وہ خاک ہوں میں ' بہوں لہو بن کے ہوں وہ پانی ؛
جلاؤں قسمت وہ آگ ہوں میں ' آزاؤں خاک اپنی وہ ہوا ہوں

عرش ہے دل میں نہ مسجد ہے نہ کعبا دل میں
سب سہی یار مگر گھر ہے تمہارا دل میں
اے خہال رخ گلرنگ چلا آ دل میں
پھول بھردے صفت شیشہ صہبا دل میں
نہ توپ اس قدر اے عاشق مضطر ' نہ توپ
دھماں اُس کا نہ کہیں ہو تہ و بالا دل میں
کار امروز بغداد مگذار ' اے " آسی "
آج ہی چاہیے اندیشہ فردا دل میں

سوتا ہے اُسی نیند میں فافل ابھی ”آسی“ اپنے قدم پاک کی تھوکر سے جگادو
 جو کہیں ہم زباں سے ’ ہوجائے ملے میں لیکن کہیں زباں بھی ہو
 چوہوسکے ’ توجہ اس طرح زمانے میں کہ مر بھی جائے تو مرگ اُس کی زندگانی ہو

گھٹ گئی وصل میں ’ فرقت میں بڑھی تھی چٹلی
 رات عاشق کی کبھی دن کے برابر نہ ہوئی

نہ سلتے تم جو دشمن کی زبانی کہ بہت دلچسپ تھی مہدی کہانی
 کلا حاضر ہے ’ لیکن فائدہ کیا ؟ کہ ظالم تو ہے مہدی زندگانی
 تسلی کل کے وعدے پر فغصہ ہے غم عشق اور اُمید زندگانی
 کہاں یوسف کہاں وہ روے زیہا خدا کو ہے مجھے صورت دکھانی
 یہ دونوں ایک ہی ترکش کے ہیں تھر معصیت اور مرگ ناگہانی
 علم کر خلد میں بھی خلتجو ناز تصدق ہے حیات جاودانی

خوف دوزخ ’ نہ حرص جنت کی بے فرض میں نے تجھ سے اُلفت کی
 دیکھوے تو توتا ہے دم کہ نہیں آزمائش ہے آج طاقت کی

گھر چھٹا ’ شہر چھٹا ’ کوچہ دلدار چھٹا کوہ و صحرا میں لہے پھرتی ہے وحشت دل کی
 جس سے پھوند کیا پائی شکست خاطر ہاے تقدیر ! یہ پھوٹی ہوئی قسمت دل کی
 راستہ چھوڑ دیا اُس نے ادھر کا ”آسی“
 کیوں بنی وہ گذر یار میں تربت دل کی

مہد شباب مہد وفائے نگار ہے کتنا ہی پائدار ہو ’ نا پائدار ہے
 فانی ہے گردش فلکی بھی ہمارے ساتھ ساری ہمیں سے دشمنی روزگار ہے
 عشق و ہوس میں حسن کو تھوڑا چاہوے مانو نہ مانو آگے تمہیں اختیار ہے
 ذوق ادا و ناز کہاں ’ بھٹودی کہاں ؟ اب تو شراب وصل بھی کچھ ناگوار ہے
 مستی میں کوئی راز جو ”آسی“ سے فاش ہو
 معذور ہے ابھی کہ نہا بادۂ خوار ہے

اے شمع ’ ایک شعلے نے تجھ کو کھا تمام
 ہر قطرۂ سرشک یہاں شعلہ زار ہے

تکڑے ہو کر جو ملی کوہکن و مجملوں کو کہیں مہری ہی وہ پہنچتی ہوئی تقدیر نہ ہو
 کار سازا 'بھی' 'آسی' کی دعا ہے تجھ سے :
 کام مہرا کوئی ملت کھن تدبیر نہ ہو

کہاں دل اور کہاں اُس کے حسن کا جلوہ
 کہا ہے عشق نے کوزے میں بلند دریا کو
 ہوا کے رخ تو زرا آئے بہتہ جا' او قوس '
 نسیم صبح نے چھوڑا ہے زلف لہلہائی کو
 کسی نہ جوشِ جنوں میں ' نہ پانو میں طاقت
 کوئی نہیں جو اُٹھا لائے کھر میں صکرا کو
 ہماری حسن پرستی متکل طعن نہیں
 کہ چشمِ قوس سے دیکھا ہے روے لہلہائی کو

کوئی تو پی کے نکلے گا آڑے گی کچھ تو بو ملے سے
 در پھر مغاں پر مے پرستو ' چل کے بستر ہو
 تمہاری ہی بدولت ہے یہ ساری رندی و مستی
 وہ دن بھی ہو کہ تم ہو ہم میں دور جام کوثر ہو
 کہی تم نے بھی چاہا ہے کسی کو لو تمہیں کہ دو
 نہ آؤ تم مرے پاس ' اور صبر آئے یہ کہوں کر ہو

کہتے ہیں تم کو جو دیکھا تو خدا کو دیکھا
 خواب میں بھی تو مہسر ہو یہ دولت مجھ کو
 کہا خبر تھی کہ انہوں کے ہوں کوشمے سارے
 شکوۂ فہر کی ہے اُن سے ندامت مجھ کو

کہتے ہو کہ اور کو نہ چاہو معلوم ہوا کہ تم خدا ہو
 ہمت ہے تو راہِ مستصر ہے اے ننگِ طلب بس اُٹھ کھڑا ہو
 نکلا ہے کوئی تو اُن کے در سے یارب مہرا وہ مدعا ہو

آخر اِکدن 'اے گل تر' دیکھ 'مرجھانا پڑا' اِس قدر بھی اپنے جامے سے کوئی باہر نہ ہو

کس کو دیکھا اُن کی صورت دیکھ کر جی میں آنا ہے کہ سجدا کیجئے
 راہ تکتے تکتے ”آسی“ چل بسا
 کہوں کسی سے آپ وعدا کیجئے

مہری آنکھیں اور دیدار آپ کا ؟ یا قیامت آگلی، یا خواب ہے

حجاب گلج مغفی میں نہاں تھے آہی ہم کہاں آئے کہاں تھے
 جب اُس کوچے کی حاصل تھی گدائی خداوند زمون و آسماں تھے
 اُتھے ہم، اُتھ گیا پردہ دوتی کا ہمارے اُس کے بس ہم درمہاں تھے
 نہ نکلی بات منہ سے صورت شمع زبان ایسی تھی گویا بے زباں تھے

وہ حال اِس طرح پوچھتے ہوں کہ اُن کو گویا خبر نہیں ہے
 تجاہل ایسا ہے درد دل سے کہ دل میں جس طرح گھر نہیں ہے
 نہ کہوں ہو دل کو یقین پیدا شہادت اُن کی ہے قہب اُن کا
 نقاب منہ پر نہیں ہے لیکن کسی کو تاب نظر نہیں ہے

حسن کی چارہ گری کا ہے بڑا شور مگر درد الفت کہوں محتاج دوا ہوتا ہے
 دشمن زیست جدائی ہے تو ملنا کیا ہے قطرہ دریا سے جو ملتا ہے فنا ہوتا ہے
 جس میں دیدار ہو وہ بھی ہے قیامت کوئی یہ قیامت ہے کہ وہ متجہ سے جدا ہوتا ہے

لذت اک گونہ چاہیے مجھ کو کہا وہ دل بھی دکھا نہیں سکتے؟
 وعدہ بھی ہے تو ہے قیامت کا جس کو ہم آزما نہیں سکتے
 مانگتے موت کی دعا، لیکن ہاتھ دل سے اُٹھا نہیں سکتے

لائی عدم میں کشتی عمر رواں مجھ پہنچا دیا ہے بھٹکے بٹھائے کہاں مجھ؟
 حق پوچھتے تو بات تھی انصاف کی یہی نام عدد لیا تو کہا بدزباں مجھ
 باغ جہاں میں طائر رنگ پریدہ ہوں خوف نفس ہے کچھ نہ قم آشیاں مجھ
 لائی عدم سے لے ہی چلی جانب عدم کہی رفق رہ ملی عمر رواں مجھ

کیا راہ طلب مرے بھی طے ہوتی ہے، ”آسی“ ؟

آسودگی حرف نیست؛ یہاں ہے، نہ وہاں ہے

مہری آنکھیں اور اُس کی خاک پا، نھرے کوچے کا اگر دھبر ملے

مہمدم دم توڑتی تھی اور یہ کہتی تھی شمع
ہاے اِس مہمدم میں ہم آئے تھے رونے کے لئے

سارے عالم میں تیری خوشبو ہے اے مریے رشک گل ' کہاں تو ہے ؟
تجھ کو دیکھ ' پھر آپ میں رہ جائے ' دل پر اِندا کسی کو قابو ہے ؟
وہ رہو ہوں میں صورت نکبت گل جسے خار وہ کا بھی کہتے تھے
مگر سر کے بل چلتے تھے اُس گلی میں نشان قدم کوئی پیدا نہیں ہے

دل کی قیمت سے ہوں گونہن بھی کم
ہمت اب اِس میں خریدار کی ہے

پڑے ہوں صورت نقش قدم ' نہ چھوڑو ہمیں
ہم اور خاک میں مل جائیں گے اُتھانے سے

ظاہر میں تو کچھ چوت نہیں کھائی ہے ایسی ؛
کہوں ہاتھ اُٹھا یا نہیں جانا ہے جگر سے ؟

بسان شمع سوز غم میں کوا اِخفاے کریہ ہو
گلے کا ہار ہو جانا ہے جو آنسو نکلتا ہے

بے حجابی یہ کہ ہر صورت میں جلوۂ آشکار
کہونگت اُس پر وہ کہ صورت آج تک نادیدہ ہے

قلعہ زار حشر سب سمجھ میں جس مہمان کو
دامن ناز نگہ کا گوشۂ جلوۂ ہے

حشر میں ملے پھر کرکھٹا کسی کا ہاے ہاے
" اُسی " گستاخ کا ہر جرم نا بخشیدہ ہے

توچھی نگاہ تیغِ جدائی سے تھوڑے
عاشق کی مرگِ سہل وہ دشوار کہوں کرے

موسیٰ اگر ملیں ' تو یہ ہے پوچھنے کی بات :
دل ہی نہ ہو ' تو حسرت دیدار کہوں کرے

خرمنہ تیغِ جفا کا وہ نہ جائے اُنہی خونِ تیرا کھچو

جھک کے لوٹا وہ ہائے تھوڑے قدم
تہ-و-کریہ-س مارنا سرا یہ ہم
مر کے بھی اے صنم خدا کی قسم
سر کو تکرانے میں لحد میں ہم
لطف بھولے نہیں ہیں تھوکر کے

قصیدہ

مدح نواب کلب علی خاں، والی رام پور
کہاں ترا کوئی بھر وجود میں ثانی
حباب، دیدہ اہل نظر میں ہے پانی
زوال صورت اشیا ہے صورت ہمہ اوست
فرض کہ ہوجمداںی ہوئی ہمہ دانی
نہ جان دیکے بھی ہم سمجھ وائے نادانی
کہ تھا وہی لب جاس بخش دشمن جانی
تمہیں نندل میں چلے آؤ، دیکھ لو سب حال
نہوں ہے قابل اظہار درد پلہانی
ہوا، نہ برق، نہ آندھی یہ سب مثال غلط
مردی نظر میں تو گھوڑا ترا ہے لا ثانی

رباعیات

فلجے، تجھ مہری دلنگاری کی قسم
شہلم، تجھ مہری اشکباری کی قسم
کس گل کی نسیم صبح خوشبو لائی
بیعتاب ہے دل جناب باری کی قسم
باز آؤ دم عشق کے اب بھرنے سے
”آسی“ کرتے نہیں ہو تم مرنے سے
مجنوں کے لب گور سے آتی ہے صدا
مرنا بہتر ہے عاشقی کرنے سے
پہری میں غم شباب کیا کھانا ہے
نادان، وہ لطف اب کہاں آتا ہے ؟
کہوں کر نہ بوجھاپے میں ہو چہرہ بے نور
جب صبح ہوئی چراغ بجھ جانا ہے
ہستی میں عدم سے کیا وہ لایا ہم کو
پہونکی نہیں روح قالب خاکی میں
آرام سے سوتے تھے، جگایا ہم کو
در پردہ یہ خاک میں ملایا ہم کو
پہونکی نہیں روح قالب خاکی میں
یا معجہ کو ترا حسن نہ بھایا ہوتا
یا دل ہی میں جلوہ گر اگر ہوتا تھا
یا ہر رگ و پے میں تو سمایا ہوتا
ہر جزو بدن کو دل بلایا ہوتا

کچھ نہ پوچھو کہسی نفرت ہم سے ہے ہم ہوں جب تک وہ ہموں کھونکر ملے؟
 ”آسی“ گدیاں ملا معبود سے
 گل سے شہلم جس طرح رو کر ملے

ہے صہد فنا، جو ہدف تیر نظر ہے چہرہ مریے سہلے کو: نہ دل ہے نہ جگر ہے
 ملنے کی یہی راہ نہ ملنے کی یہی راہ دنیا جسے کہتے ہیں عجب راہ گذر ہے
 وہ دور چلا جام سے بھٹھری کا ہم وہ ہیں کہ وہ ہم: نہیں اتنی یہی خبر ہے
 پہنچو گے اُسی کوچہ میں جس راہ سے جاؤ جو راہ ہے اُس کوچے کی بھٹھور و خطرہ ہے
 ہم بزم ہو رقیب تو کہوں کر نہ چھوڑیے آہلک ساز درد کہ نالا کہیں جسے
 پیمانہ نکاح سے آخر چہلک گیا سر جوش ذوق وصل تمنا کہیں جسے

فہش نہ آجائے کہیں مانند موسیٰ، دیکھو!
 مہری آنکھوں سے نہ اپنا آپ جلو دیکھو
 آپ سے دیکھی نہیں جانی تھی مہری زندگی
 لہجہ مروتا ہوں اب مروتا مہرا دیکھو
 رات ”آسی“ کہتے تھے اپنے سہم خانے کو گور
 جیتے جی مر جاتے ہیں عاشق: تماشا دیکھو

اجی دل میں اُتر آؤ کسی دن مری آنکھوں پر اپنے پانوں دھو کے
 لحد میں اب نہ چھوڑو، اے فرشتو! ستائے ہیں کسی کے عمر بھر کے
 ہرنگ شمع، تہلدا بھی کر، اے صبح، جلائے ہیں کسی کے رات بھر کے

سب یہ جانیں کہ فزل ”آسی“ مہلوں کی ہے
 شعر جو نکلے وہ دامن کی طرح تو نکلے
 یہ کہ کہ کے اُس نے متایا مجھے کہ جو کو گھا اُس نے پایا مجھے

مغس

وقت آخر میں تیرے مہطر کے نہ چھا کوئی عاشقی کر کے
 اب بھی کہتا ہے آہیں بھر بھر کے کون چھتا ہے، اے صلم، مر کے
 آؤ تو دیکھ لوں نظر بھر کے

ہندستانی اکادمی صوبہ متحدہ * الہ آباد

کے مطبوعات

- ۱—از ملکہ وسطیٰ میں ہندستان کے معاشرتی اور اقتصادی حالات -
از علامہ عبداللہ بن یوسف علی ، ایم - اے ، ایل ایل ایم ،
سی - بی - اے ، مجلد ۱ روپیہ ۳ آنہ - شہر مجلد ۱ روپیہ -
- ۲—اردو سروے رپورٹ—از مولوی سید محمد فاضل علی صاحب
ایم - اے - ۱ روپیہ -
- ۳—عرب و ہند کے تعلقات - از مولانا سید سلیمان ندوی - ۴ روپیہ -
- ۴—ناتن (جرمن ڈراما) مترجمہ مولانا محمد نعیم الرحمن صاحب -
ایم - اے ، ایم - آر ، اے - ایس - ۲ روپیہ ۸ آنہ -
- ۵—فریبِ عمل (ڈراما) مترجمہ بابو جگت موہن لال صاحب ،
دواں - ۲ روپیہ -
- ۶—کبیر صاحب - مرتبہ پلڈت منوہر لال زتشی - ۲ روپیہ -
- ۷—قرون وسطیٰ کا ہندستانی تمدن - از راء بہادر مہا مہو آپادھے
پلڈت گوری شکر مہرا چلد اوجھا ، مترجمہ منشی یرم چلد -
قیمت ۴ روپیہ -
- ۸—ہندی شاعری - از ڈاکٹر اعظم کریمی - قیمت ۲ روپیہ -
- ۹—ترقی زراعت - از خانصاحب مولوی محمد عبدالقہوم صاحب
ڈپٹی ڈائریکٹر زراعت - قیمت ۴ روپیہ -
- ۱۰—عالمِ جہوانی - از بابو برجیش بہادر ، بی - اے ، ایل ایل بی -
۶ روپیہ ۸ آنہ -
- ۱۱—معاشیات پر لکچر - از ڈاکٹر ذاکر حسین ، ایم - اے ، پی ایچ ڈی -
مجلد ۱ روپیہ ۸ آنہ ، شہر مجلد ۱ روپیہ -
- ۱۲—فلسفۂ نفس - از سید فاضل حسین نقوی - قیمت مجلد
۱ روپیہ ۸ آنہ ، شہر مجلد ۱ روپیہ -
- ۱۳—مہاراجہ رنجیت سنگھ - از پروفیسر سہتا رام کوہلی ، ایم - اے -
قیمت مجلد ۴ روپیہ ۸ آنہ ، شہر مجلد ۴ روپیہ -

- ۱۳- جواهر سخن - جلد اول - مؤلف مولانا گھنی پوری گھنی -
 قیمت ۵ روپیہ ، فہر مجلد ۳ روپیہ ۸ آنہ -
- ۱۴- اعظم دہکائی - از شیخ رضی اللہ عنہ - اصل - اے - جی - قیمت
 مجلد ۶ روپیہ ۸ آنہ - فہر مجلد ۶ روپیہ -
- ۱۵- انقلاب روس - از کفن پرشاد کول - ممبر سرویس آف انڈیا
 سوسائٹی لکھنؤ - قیمت مجلد ۳ روپیہ ، فہر مجلد ۲ روپیہ ۸ آنہ -
- ۱۶- جلد دہکائی پہلوانی - از محمد نعیم الرحمان ، ایم - اے - اسحاق
 عربی و فارسی ، الذآباد یونیورسٹی - قیمت ۱ روپیہ ۳ آنہ -
- ۱۷- تاریخ فلسفہ سیاسیات - از محمد محبوب ، بی - اے (اکسن)
 جامعہ ملیہ اسلامیہ - گھنی - قیمت مجلد ۴ روپیہ ۸ آنہ
 فہر مجلد ۳ روپیہ -
- ۱۸- انگریزی شہد مہی ہندوستان کے تمدن کی تاریخ - از علامہ
 عبد اللہ یوسف علی صاحب - قیمت مجلد ۳ روپیہ ، فہر
 مجلد ۳ روپیہ ۸ آنہ -
- ۱۹- فلسفہ جمال - از دیان اللہ صاحب - ایم - اے - قیمت ۱ روپیہ -
- ۲۰- دیوان ہمداد - از جلیل احمد قدوائی صاحب - ایم - اے - قیمت
 مجلد ۲ روپیہ ، فہر مجلد ۱ روپیہ ۸ آنہ -
- ۲۱- نفسیات فاسدہ - از محمد رفیع الرحمان صاحب ، ایم - اے - قیمت
 مجلد ۸ روپیہ ۸ آنہ ، فہر مجلد ۸ روپیہ -
- ۲۲- سلطان الہاد محمد شاہ بن تغلق - از پروفیسر آغا مہدی
 حسن ، ایم - اے - بی - ایچ - قی - قی - قیمت - قیمت مجلد
 ۳ روپیہ ، فہر مجلد ۲ روپیہ ۸ آنہ -
- ۲۳- نظام شنسی - مترجمہ شہج چکو ، بی - اے - ایچ - قی - قی -
 قیمت ۶ روپیہ -

ہندوستانی انگریزی یو - بی - الذآبادی -

یو - بی - الذآبادی یو - بی - الذآبادی یو - بی - الذآبادی یو - بی - الذآبادی یو - بی - الذآبادی

